إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرا

حصّہ دوم

کلیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

باہتمام بابو شمبھر ناتھ صاحب بھارگو

اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد میں چھپا

دوم ایڈیشن — سنہ ۱۹۱۶ع

قیمت معہ خرچہ روانگی

انڈکس

ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا ۔۔۔ جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا
دل کو جو پہونچائے ایذا وہ نہیں ہے اہلِ دل ۔۔۔ ظلم کا باعث جو ہو درد آشنا کیونکر ہوا

طالب دنیا کو اکبر کسطرح سمجھوں میں خضر
خود جو گم ہے فکر میں وہ رہنما کیونکر ہوا

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا ۔۔۔ اب فکرِ آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا
اِسنے خدا کو مانا وہ ہو رہا بتوں کا ۔۔۔ یا اسنے خوب سمجھا یا اُسنے خوب دیکھا
نامِ خدا کو اکثر زیب زباں تو پایا ۔۔۔ عشقِ بتاں کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا
اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی ۔۔۔ اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

کوئی طاقت نہیں اب آپ کی طاقت کے سوا ۔۔۔ کچھ بچا ہی نہیں میرے لئے جنت کے سوا
ہر ادا سے میں نظر آتی ہے اک صورتِ یاس ۔۔۔ شغل اب کچھ بھی نہیں فسخِ عزیمت کے سوا
اُسکو تھا ناز کہ حاصل ہے مجھے راحت و عیش ۔۔۔ میں نے جانچا تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا
سکھ ملا جسکو زمانے میں مبارک ہو اُسے ۔۔۔ ہم نے تو کچھ بھی نہ پایا غم و حسرت کے سوا
مطمئن ہو کے لگاتا ہوں لحد میں بستر ۔۔۔ اب اُٹھاتا ہے مجھے کون قیامت کے سوا
عکس دنیا کے مرقع کا پڑا آنکھوں میں ۔۔۔ دلمیں اُتری نہ کوئی شئے تری صورت کے سوا

نہ یہ رنگِ طبع ہوتا نہ یہ دل میں جوش ہوتا ۔۔۔ یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ ہوش ہوتا

غمِ دہر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا
مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ نوش ہوتا

تمھیں دیکھ حسن کے فطرت نے یہ نقش کھینچے ورنہ
نہ یہ ہوتی چشمِ نرگس نہ یہ گل کا گوش ہوتا

دل و دیں ہیں سب کے صدقے جو وہ خود نما بنا ہے
کوئی زندہ ہی نہ رہتا جو وہ خود فروش ہوتا

نہ ابھارتا جو گردوں تو وہ کیوں یہ ظلم کرتے
کچھ اثر فغاں میں ہوتا تو میں کیوں خموش ہوتا

حسن نظامی اکبر کا کلام سن کے بولے
میں تجھے ولی سمجھتا جو تو خرقہ پوش ہوتا

نہ کہہ کہ شمع سے پروانہ دور ہی اچھا
اگر ہے عشق تو قرب حضور ہی اچھا

لبھا لیا مجھے اے شیخ چشمِ ساقی نے
غرور زہد سے مے کا سرور ہی اچھا

ہزار ہوش ہیں قربان ایسے جلوے پر
جناب حضرتِ موسیٰ کو طور ہی اچھا

رہے نہ دل کے لئے کوئی مستقل مرکز
یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

دلِ شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

وہ مے نہیں رہی نہ وہ پیمانہ رہ گیا
دنیا میں بزمِ جم کا اک افسانہ رہ گیا

غائب ہوئی پری دلِ دیوانہ رہ گیا
افسوس شمع بجھ گئی پروانہ رہ گیا

سرور و نور و وجد و حال ہو جائیگا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب
وہی پیدا کرے گا دن بھی کی ہے جسنے شب پیدا

فرقت یار میں جینے کا سہارا کیا تھا
خوب تھی موت سوا موت کے چارا کیا تھا

جان اللہ نے لی جسم ہوا داخل گور
ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

دنیا کا دیدنی وہ تماشا نکل گیا
اب گرد رہ گئی ہے یہ میلا نکل گیا

اب مادے کے چھاننے والے ہی رہ گئے
روحانیات کا وہ اکھاڑا نکل گیا

موت آئی عشق میں تو ہمیں نیند آگئی
نکلی بدن سے جان تو کانٹا نکل گیا

میں خوش ہوا جو آپ نے دیں مجھ کو گالیاں
اچھا ہوا بخار تو دل کا نکل گیا

کیا دل لگاؤں موسمِ گل سے میں اے صبا
اس کو بھی کچھ ثبات نہیں آیا نکل گیا

بازارِ مغربی کی ہوا سے خدا بچائے
میں کیا مہاجنوں کا دوالا نکل گیا

کام کوئی مجھے باقی نہیں مرنے کے سوا
کچھ بھی کرنا نہیں اب کچھ بھی نہ کرنیکے سوا

حسرتوں کا بھی مری تم کبھی کرتے ہو خیال
تم کو کچھ اور بھی آتا ہے سنورنے کے سوا

موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی
کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنے کے سوا

محوِ حیرت ہی رہی بحر میں ہر چشمِ حباب
کچھ نہ تھی ہستی امواج گذرنے کے سوا

میرے شکووں کو نہ پوچھیں رہیں خاموش حضور
کچھ نہ بن آئے گی واللہ مکرنے کے سوا

عشق کے فن میں ہے اکبر کا بھی درجہ عالی
عیب کچھ اسمیں نہیں ضبط نہ کرنے کے سوا

نہ باشد معتبر دل را سکون و اضطراب اینجا
غم و شادیست گردِ کاروانِ انقلاب اینجا

میاسا در ہجومِ جلوۂ دنیا کہ می بینم
سکونِ یک نفس سرمایۂ صد اضطراب اینجا

فریبِ بحرِ ہستی مایۂ کبر است غافل را
بہ اوجِ چرخ خواہد سر کشیدن ہر حباب اینجا

ز قرآں بے خبر منشیں و از عقبےٰ مشو غافل
چہ خوش گفت اکبر خوشگو حساب آنجا کتاب اینجا

تو نے جسے بنایا اُس کو بگاڑ ڈالا
اے چرخ میں نے اپنی عرضی کو پھاڑ ڈالا

برباد کیا اجل نے مجھ کو کیا؟ یہ کہئے
روحِ رواں نے اپنے دامن کو جھاڑ ڈالا

دستار و پیرہن گم اور جیب و کیسہ خالی
تہذیبِ مغربی نے ہمکو پچھاڑ ڈالا

بنیاد دیں ہوائے دنیا نے منہدم کی
طوفان نے شجر کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا

اچھا ملا نتیجہ مجھ کو مراسلت کا
قاصد کو قتل کر کے نامے کو پھاڑ ڈالا

پیغام آ رہا ہے دلِ بیقرار کا
قائم ہے سلسلہ مرے اشکوں کے تار کا

شایق ہوا ہے بوسۂ دامانِ یار کا
اللہ رے حوصلہ مرے مشتِ غبار کا

باغِ جہاں میں کوئی روش بے خلش نہیں
دوڑا اُدھر گل پہ ہاتھ تو کھٹکا ہے خار کا

شمس و قمر کو دیکھتے ہیں تجھ کو بھول کر
کیا شعبدہ ہے گردشِ لیل و نہار کا

آماجگاہِ تیرِ حوادث ہوں رات دن
پتلا بنا ہوا ہوں غمِ روزگار کا

پیش

اے جنوں دور ہے فطرت کی خود آرائی کا
دیدنی ہے یہ سماں لالۂ صحرائی کا

بڑھتا جاتا ہے اُدھر شوق خود آرائی کا
حوصلہ پست ہے یہاں ضبط و شکیبائی کا

آپ کی یاد کو اللہ سلامت رکھے
مجھ پر احسان ہے اِس مونسِ تنہائی کا

سبز باغ آپ مرے اشک روانکو دکھائیں
موج پر زنگ جمے گا نہ کبھی کائی کا

پیش

ایجاں شبِ فرقت میں سو ہی نہیں سکتا
تجھ بن مجھے نیند آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا

اِس بحر میں ہوں مثلِ حباب اے غمِ ہستی
طوفاں مری کشتی کو ڈبو ہی نہیں سکتا

خاکِ قدم اُسنے مری آنکھوں میں لگادی
اب اور مصیبت ہے کہ رو ہی نہیں سکتا

ہوا سے دے بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مبیں کا
نثار ہونے کی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

اگر ہو ذوقِ سجود پیدا ستارہ ہو اوج پر جبیں کا
نشانِ سجدہ زمین پر ہو تو فخر ہے وہ رخ زمیں کا

صبا بھی اُس گل کے پاس آئی تو میرے دل کو ہوا یہ کھٹکا
کوئی شگوفہ نہ یہ کھلائے پیام لائی نہ ہو کہیں کا

نہ مہر و مہ پر مری نظر ہے نہ لالہ و گل کی کچھ خبر ہے
فروغ دل کے لئے ہے کافی تصور اُس روئے آتشیں کا

نہ علم فطرت میں تم ہو ماہر نہ ذوق طاعت ہے تمسے ظاہر
یہ بے اصولی بہت بری ہے تمھیں نہ رکھیگی یہ کہیں کا

جبے اپنے کام کا پاگئی اُسے اک نظر میں ملالیا
تری چشمِ مست ہے وہ غضب مرے [illegible]

وہ فنا کے رنگ سے خوش تھا اُسے کب تھا میلِ شگفتگی
یہ فریب لطفِ نسیم تھا کہ کلی کو جس نے کھلالیا

یہ گہرفشانی متصل ہے فقط نتیجۂ جوشِ دل
نہ ہوا میں طالبِ انجمن نہ کسی سے میں نے صلا لیا

جو دیکھی ہسٹری اسباب پر کامل یقین آیا
اُسے جینا نہیں آیا جسے مرنا نہیں آیا

علیگڈھ کو شرف بخشا ہے اقبالِ نصاریٰ نے
کہ جو مسلم اُٹھا شوقِ ترقی میں یہیں آیا

وہ اک دن تھا میاں کو عار تھا صاحب بھی بننے میں
پڑا اب سایہ مغرب تو بی بی بھی بنیں آیا

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہو اے اکبر
اُڑا جو ذرۂ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا

چھا گئی زردی چمن پر جلوۂ گل ہو چکا
جو رصرصر کے دن آئے وہ دورِ بلبل ہو چکا

واعظا تجھ کو مبارک سنبلِ تقویٰ کے پیچ
اب تو دل میرا اسیرِ دامِ کاکل ہو چکا

بحرِ عرفاں کے لئے ہے کشتئ دل لازمی
بسود مند اس راہ میں الفاظ کا پُل ہو چکا

کیا دلِ آگاہ سینوں میں نہیں باقی رہے
سنتے ہیں سرمایۂ اہلِ توکل ہو چکا

سانس لینے میں بھی اے اکبر کرو اب احتیاط
موقعِ فریاد و آہِ بے تامل ہو چکا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ہیں شیدا اُنکے یہ شانِ نبوت کیا کہنا

وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پرنور ہوئی
یہ مہرِ ہدیٰ سبحان اللہ یہ صبحِ سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہو پرتو کرسی عرش اُس دل کی بلندی صلِّ علےٰ
جس سینے میں قرآں اُترا ہو اُس سینے کی عظمت کیا کہنا

تسبیح سے دنیا گونج اُٹھی تکبیر کا غل تا عرش گیا
تاثیرِ ہدایت صلِّ علےٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا

نغمہ ہے ترا دلکش اکبر مضموں ہے ترا پاکیزہ و تر
بلبل کے ترانے صلِّ علےٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

عمل اُن سے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ اُن کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

بیاں کرتا تھا بربادی کا اک برگِ خزاں دیدہ
رہا میں باغ میں دو دن کفِ افسوس مل آیا

محلے میں نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزوں نے
تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جاکر کود اچھل آیا

جہانِ بے بقا سے کیا لگائے دل کوئی اکبر
گیا وہ آج پُر حسرت جو ارماں لے کے کل آیا

اشارہ ہے یہی بادِ صبا کا — چمن اک رنگ ہے اُسکی ادا کا
نسیمِ صبحگاہی وجد میں ہے — عجب مطلب ہے بلبل کی صدا کا

عجیب برق بلا تھا نظارہ اس مس کا — وجود ہی نہ رہا دل میں دین کے حس کا
نسیم وگل کے تعلق پہ یہ نہیں غمّاز — خدا زیادہ کرے نورِ چشمِ نرگس کا

خرد کی تفرقہ جوئی سے انتشار رہا — ہمیشہ مجھ پہ یہ کم بخت ہوش بار رہا
نشانِ شوکت انساں بنے تو مٹ بھی گئے — خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

بانکپن دل میں - عقیدوں پہ وہ جوبن نہ رہا — کی ترقی تو بہت پردہ میاں پن نہ رہا
لان ٹینس کے لئے بن گئے شاہی گلزار — ساتھ سبزے کے ہجومِ گل و سوسن نہ رہا

راز کھل جاتا ہمارے نالۂ و فریاد کا — آپ سنتے ہی نہیں قصہ دلِ ناشاد کا
آسماں نے دل کی بربادی کی کچھ پروا نہ کی — کھیل تھا ویران کرنا خانۂ آباد کا
اس نگاہِ حسرت آگیں سے نہایت تنگ ہوں — ہاتھ اُٹھتا ہی نہیں مجھ پر کسی جلاد کا
مس ہوائے باغ کا ہے اب پردوں کو ناگوار — اتنا خوگر ہو گیا ہوں پنجۂ صیاد کا
میری نظروں سے گری رہتی ہے دنیائے دنی — عرش منزل ہے یہ پہلو طبع کی اُفتاد کا

اُن کے پرچے کیلئے اکبر نے کہہ دی یہ غزل
شکر ہے اُترا تقاضا حضرتِ آزاد کا

اب تو ہے عشقِ بتاں میں زندگانی کا مزا — جب خدا کا سامنا ہوگا تو دیکھا جائیگا
ہے سبب جوشِ جنوں کا رنج ہجراں اے حضور — آپ تو تشریف لائیں ہوش بھی آجائیگا

عشقِ بت میں کفر کا مجھ کو ادب کرنا پڑا — جو برہمن نے کہا آخر وہ سب کرنا پڑا
صبر کرنا فرقتِ محبوب میں سمجھے تھے سہل — کھل گیا [illegible] کا حال جب کرنا پڑا

تجربے نے حُبّ دنیا سے سکھایا احتراز
پہلے کہتے تھے فقط منہ سے اور اب کرنا پڑا

شیخ کی مجلس میں بھی مفلس کی کچھ پرسش نہیں
دین کی خاطر سے دنیا کو طلب کرنا پڑا

کیا کہوں بے خود ہوا میں کس نگاہ مست سے
عقل کو بھی میری ہستی کا ادب کرنا پڑا

اقتضا فطرت کا رکتا ہے کہیں اے ہم نشیں
شیخ صاحب کو بھی آخر کارِ شب کرنا پڑا

عالمِ ہستی کو تھا مدِّ نظر کتمانِ راز
ایک شے کو دوسری شے کا سبب کرنا پڑا

شعر غیروں کے اُسے مطلق نہیں آئے پسند
حضرتِ اکبر کو بالآخر طلب کرنا پڑا

تیغیں نیام میں ہیں انداز جنگ بدلا
خاموش ہیں زبانیں محفل کا رنگ بدلا

مائی گوپوت کی اب مطلق خبر نہیں ہے
اسٹیمروں سے مل کر اندازِ گنگ بدلا

مجھ سے غمِ پنہاں کا بیاں ہو نہیں سکتا
دل سینے میں ہے منہ میں زباں ہو نہیں سکتا

تم غیر کے پہلو میں ہو میں بزم میں بیٹھوں
مجھ سے تو یہ اے جانِ جہاں ہو نہیں سکتا

آنکھوں نے جو دیکھا ہے ترے حسن کا عالم
واللہ زبانوں سے بیاں ہو نہیں سکتا

معنی کی شعاعوں سے جو لکھ جاتا ہے دلبر
سچ یہ ہے وہ لفظوں میں بیاں ہو نہیں سکتا

کس طرح کلیسا میں پڑھوں سورۂ اخلاص
ظاہر ہے کہ یہ کام یہاں ہو نہیں سکتا

بہتر ہے کہ ہو صبر کی قوت میں ترقی
اُن پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

اکبر تری باتیں کبھی ہوتی ہیں نہیں ختم
کیا حال ہے تیرا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

یقینِ خدا کا بتِ نکتہ چیں نے کیوں نہ کیا
نہ پوچھ کارِ نبی دور بیں نے کیوں نہ کیا

جو دل میں آتی ہے اے واعظو نہیں رکتی
سکوت خوب ہے لیکن تمہیں نے کیوں نہ کیا

اُٹھائی میرے ڈرانے کو رحمتِ دشنام
یہ کام آپ کی چینِ جبیں نے کیوں نہ کیا

مجھے تو ملتے ہیں افشائے عشق کے طعنے
نہاں جمال کو اپنے انھیں نے کیوں نہ کیا

ہمیں ہنسنے تھے زیادہ گناہ اکبرؔ پر
ہمیں کو اب ہے یہ حسرت ہمیں نے کیوں نہ کیا

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی
موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

کوئی حسرت مرے دل میں کبھی آئی ہی نہیں
تھا ہی ایسا کہ یہیہ مقبول تمنا نہ ہوا

اسکی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر
خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا

دلفریبی مری دنیا نے تو بے حد چاہی
میری ہی ہمت و غیرت کا تقاضا نہ ہوا

ضبط سے کام لیا دل نے تو کیا فخر کروں
اسمیں کیا عشق کی عزت تھی کہ رسوا نہ ہوا

مجھ کو حیرت ہے یہ کس پیچ میں آیا زاہد
دام ہستی میں پھنسا زلف کا سودا نہ ہوا

بیدریغ آپ پہ دی جان کیا یہ مینے
مرحبا منہ سے کہیں آپ سے اتنا نہ ہوا

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکیگا جو رو رہا ہے وہ رو چکیگا
سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکیگا

فلک چلے ظالمانہ چالیں مچائے اندھیر جتنا چاہے
زمانہ لے ہی گا کوئی کروٹ نصیب بیکس کا سو چکیگا

ہماری منزل کا ہے وہ دشمن ہماری راہیں بگاڑتا ہے
کھلینگے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے وہ بو چکیگا

مراد اکبرؔ بتان کافر سے مل ہی جائیگی شاید اکدن
مراد ملنے سے پہلے لیکن یہ امتیاز اپنا کھو چکیگا

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا
حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

یہ طرز احسان کرنے کا تمھیں کو زیب دیتا ہے
مرض میں مبتلا کر کے مریضوں کو دوا دینا

بلائیں لیتے ہیں اُن کی ہم ان پر جان دیتے ہیں
یہ سودا دید کے قابل ہے کیا لینا ہے کیا دینا

خدا کی یاد میں محویت دل بادشاہی ہے
مگر آساں نہیں ہے ساری دنیا کو بھلا دینا

دنیا سے ہیں نے کچھ بھی نہ چاہا
دل ہی نہ اُبھرا جی ہی نہ چاہا

اسمیں برائی کیا تھی جو میں نے
احیائے رسم دیرینہ چاہا

ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئیگا
خدا کا نام لئے جاؤ کام آئیگا

ڈریں نہ حشر کی گرمی سے عاشقانِ رسول
لگے گی پیاس تو کوثر کا جام آئیگا
رہے گا خوانِ فلک پر ضرر سے وہ محفوظ
جسے خیال حلال و حرام آئیگا
اگرچہ صبح کو پھیکے ہیں مثلِ مہ صائم
چمک اٹھینگے یہ جب وقت شام آئیگا

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اُسکا
جسکے مرنے کا نہیں روشنی نے غم نہ کیا
لاکھ روے کہ رہے جاتے ہیں اللہ رسول
دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

ایک اِس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبر
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

یہ کیا صورت ہوئی سیدا۔ یہ اِن کا اِدّعا کیسا
بتانِ دیر کہتے ہیں ہمیں دیکھو خدا کیسا
ہمیں تو رنگ و بوئے گل پہ محویت ہی ہستی ہے
مریضوں کو خبر ہوگی کہ ہے اِسکا مزا کیسا
بس آنکھیں بند ہونی تھیں کہ بدلا ہوش کا عالم
کسے اب یاد نقشہ عالم ہستی کا تھا کیسا

حلاوت زندگانی کی کہاں اِس تلخ کامی میں
خدا کا حکم ہے جیتے ہیں اے اکبر مزا کیسا

اے دورِ فلک دنیا میں مجھے اب لطف ذرا باقی نہ رہا
جب ہم نفس اپنے اُٹھ گئے سب جینے کا مزا باقی نہ رہا
محرومی کا شکوہ بھول گئے یکتائی پر اپنی فخر ہوا
پیشِ درِ دولت میرے سوا جب کوئی گدا باقی نہ رہا

یہ پروانہ ہے جس نے دیدہ بازی کا ہنر جانا
اسی کا کام ہے ذوقِ نظر میں جل کے مر جانا
یہی باتیں ہیں جن کی یاد تڑپا دیتی ہے دل کو
مرا انگڑائیاں لینا اور اُس ظالم کا ڈر جانا
ہمارے دیر میں آکر کبھی اے شیخ بیٹھو تو
نظر بت پہ نہ کرنا اللہ ہی اللہ کر جانا
دلِ مشتاق اندیشوں سے کہتا ہے یہی ہر دم
اُسی کو ڈھونڈھتے رہنا جہاں ہو نا جدھر جانا

کھلے گل - بہار آئی - چمن کا - سماں بدلا
اِدھر آ - مرے ساقی - پلا دے - مجھے صہبا
غموں سے - رہائی ہو - تردد - نہ رہ جائے
مزے میں - غزل گاؤں - کسی کا - نہ ہو کھٹکا
سمجھ میں - مضرت ہے - مزا ہے - جو مستی ہو
خدا پر - بھروسا کر - عبث ہے - غم فردا

مہ بحر طویل مخصوص بہ عرب۔ فعولن مفاعیلن۔ فعولن مفاعیلن۔

کہاں ہیں اب جم و کسریٰ کدھر ہے وہ بزم انکی — فنا کا تسلسل ہے کسی کو نہیں بقا

زمزموں سے کیوں نہیں ہے تجھکو سیری عندلیب — کون سنتا ہے صدا گلشن میں تیری عندلیب

پانیر میں ان کے دیا کرتا ہے اسپیچ وفا — زاغ ہو جائیگا اک دن آنریری عندلیب

سب سے کر قطع نظر بہر خیالِ روے دوست — با ہر اک شے کو سمجھ عکسِ جمالِ روے دوست

گردش عارف کے لئے قائم ہے صوتِ سرمدی — ذرہ ذرہ کہ رہا ہے اس سے جمالِ روے دوست

گردشِ ارض و سما ہے خضرِ راہِ معرفت — مہر و مہ ہیں شاہدِ اوجِ کمالِ روے دوست

صد ہزاراں گلشنِ معنی براہ افتادہ است — تا مرا بر صورت خویش نگاہ افتادہ است

تا ز دستت زلیخا را براہ افتادہ است — مژدہ باد اے عشق یوسف ہم بچاہ افتادہ است

بسلِ طبع ز عشقِ تو رنگ و بوے ہست — مرا بہ سینہ دلے ہست و آرزوے ہست

ز شورِ عالمِ ایجاد بے خبر ہستم — کہ حیرت ست و نگاہ من ست و روے ہست

شورِ بلبل جوشِ گل موجِ نسیم انوارِ صبح — اللہ اللہ کس قدر ہیں دل کشا آثارِ صبح

آفتاب اوجِ سعادت کا ہے وہ روشن نفس — نورِ طاعت جس سے ظاہر ہو دمِ آثارِ صبح

جلوۂ حق کے مقابل روے بت ہے بے فروغ — ہے پیامِ مرگ شمعوں کے لئے دیدارِ صبح

واہ کیا کہنا ہے تیرا اے نسیمِ صبح خیز — تیرے دم سے ہے چمن میں گرمیِ بازارِ صبح

شب گذرتے ہی ہوئی برخاست بزمِ میکشی — گردنِ مینا سے شاید اٹھ نہ سکتا بارِ صبح

تڑکوں سے آجکل پہ ٹالتے ہیں وہ مجھے — صبح کو اقرارِ شام اور شام کو اقرارِ صبح

عاشقِ دنیا کو کیوں آئے خیالِ آخرت — کس نے پروانے کو پایا شائقِ دیدارِ صبح

خوابِ نوشیں سے ترا بیدار ہونا الامان — یہ خمارِ نرگسِ مستانہ یہ آثارِ صبح

عہد پیری آگیا اکبر سنبھالو اپنے ہوش
خوابِ غفلت سے اٹھو پیدا ہوے آثارِ صبح

کروں میں کس طرح اِس دورِ انقلاب کی مدح — ہنوز شرع میں جائز نہیں شراب کی مدح

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو
اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

بقیہ صیغے بھی ماضی بنیں گے حال کے بعد
رہا جو زندہ وہ دیکھے گا تیس سال کے بعد

نظارۂ بتِ بے دیں میں ہے ہلاکیٔ روح
اب اختیار ہے تم کو اس احتمال کے بعد

ہنسی خوشی سے ہے بہتر کنارہ کش ہونا
یہ لطف کیا کہ جدا اُن سے ہوں ملال کے بعد

رہے نہ اہلِ بصیرت تو بے خرد چمکے
فروغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

رنج ہے زیرِ فلک عیش کی تمہید کے بعد
دیکھئے ماہ محرم ہی پڑا عید کے بعد

جلوۂ حسن کچھ آساں نہیں اے دیدۂ شوق
حور کا ذکر بھی ہے حشر کی تمہید کے بعد

فریاد ہے اُسی کی طپش سے زبان پر
پہلو میں دل نہیں ہے مصیبت ہے جان پر

دونوں کا ارتباط خدا ہی کے ہاتھ ہے
دانہ تو زیرِ خاک ہے ابر آسمان پر

دن کو بھی اُنکے ملنے سے بہتر ہے احتراز
ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر

قبروں سے دوستوں کی بھرے ہیں سوادِ شہر
لوں کتنے نام روؤں میں کس کس نشان پر

بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ
ناخوش کہیں نہوں وہ ھُوَ المُستعان پر

جو ہے زباں پہ دل کو نہیں اُس سے فائدہ
جو دل میں ہے وہ لا نہیں سکتے زبان پر

شکرِ خدا کہ شرم کی تکلیف سے بچے
یاروں کی اب تو بھیڑ ہے مے کی دوکان پر

افسانۂ بہار و زبانِ نسیم ۔ واہ
گُل جامہ چاک کرتے ہیں اس داستان پر

جوش اُسکو کہتے ہیں کہ جو پیری میں بھی رہے
تقویٰ وہ ہے کہ جس کا اثر ہو جوان پر

از جمالت می تراود ہر زماں شانے دگر
وز خیالت می دمد ہر دم گلستانے دگر

انقلابے ہست در ذرات و ہوشم ہر نفس
ہر زماں دارم ز تو جسنے دگر جانے دگر

دل عطا کردی بمن قربان احسانت شوم
درد بخشیدی بہ دل ایں باشد احسانے دگر

تہذیب کے خلاف ہے جو لائے راہ پر — اب شاعری وہ ہے جو ابھارے گناہ پر
کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ میں خوش ہوں یا ملول — یہ بات منحصر ہے تمہاری نگاہ پر
چہرے نے دی شہادتِ غم زرد تر ہوا — سختی یہ کیوں ہوئی مرے سچے گواہ پر

جو دیکھا غور سے تو یہ بات ثابت ہو گئی آخر — وہی ظاہر وہی باطن وہی اول وہی آخر
وہی غالب رہے مجھکو ہوئی شرمندگی آخر — نہ مانا آپ نے اور خاطرِ اغیار کی آخر

وہاں الفاظ خضرِ رہ ہیں یاں معنی ہیں منزل پر — زباں کا انکو دعویٰ ہے تو تجھکو ناز ہے دل پر
سماعت گوشِ گل میں ہے نہ بینا دیدۂ نرگس — عجب کیا گریۂ شبنم جو ہے اس بزمِ غافل پر

مذہب کا ہو کیونکر علم و عمل دل ہی نہیں بھائی ایکطرف — کرکٹ کی کھلائی ایکطرف کالج کی پڑھائی ایکطرف
کیا ذوقِ عبادت ہو انکو جو مس کے لبوں کے شیدا ہیں — حلوائے بہشتی ایکطرف ہوٹل کی مٹھائی ایکطرف
طاعون و تپ اور کھٹمل مچھر سب کچھ ہو یہ پیدا کیچڑ سے — [illegible] کی رزائی ایکطرف اور ساری صفائی ایکطرف
مذہب کا تو دم وہ بھرتے ہیں بے پردہ ہیں انکی لیڈیاں ہیں — اسلام کا دعویٰ ایکطرف یہ کافر ادائی ایکطرف
ہر سمت تو ہے اک دامِ بلا رہ سکتے ہیں خوش کسطرح بھلا — اغیار کی کاوش ایکطرف آپس کی لڑائی ایکطرف
کیا کام چلے کیا رنگ جمے کیا بات بنے کون انکی سنے — ہے اکبرِ بیکس ایکطرف اور ساری خدائی ایکطرف

فریاد کئے جا اے اکبر کچھ ہو ہی رہیگا آخر کار
اللہ سے تو نہ ایکطرف صاحب کی دہائی ایکطرف

محفوظ ذہن رکھیں ہر دور ہم کہاں تک — اوراقِ ہسٹری میں نقشِ قلم کہاں تک
ہر قطرہ اور ذرہ ہے مورثِ حوادث — دفتر ترا کہاں تک زورِ رقم کہاں تک
شخصی ہوں خواہ قومی سب حالتیں ہیں فانی — کبر و غرور کب تک جاہ و حشم کہاں تک
دیکھیں جو کچھ تو سمجھیں پائیں جو کچھ تو جانیں — کب تک جناب جنیں یہ قول و قسم کہاں تک
فطرت دکھا ہی دیگی ملحد کی بے ثباتی — عجزِ عرب کہاں تک نازِ عجم کہاں تک
ناقص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے — انپر وثوقِ صحت اے محترم کہاں تک

اے چرخ بد دماغی کی تجھ کو کیا ضرورت
ناکامیوں پر اپنے (اپنی) روئینگے ہم کہاں تک

نعمت سمجھ بلا کو لے لذت تماشا
آخر یہ مخزن اشک اے چشم نم کہاں تک

کہتے ہیں دوست اکبر کو دیکھ کر یہ حسرت
ہے اِسکا دم غنیمت لیکن یہ دم کہاں تک

قرب منزل کا مجھے دیتے ہیں مژدہ کیا خضر
ضعف سے یاں تو ہے دو گام بھی چلنا مشکل

ناتوانی سے مٹا جاتا ہے آپس کا وہ میل
نبض کے ساتھ ہے اب سانس کو چلنا مشکل

ہیں ہوا پر کفر کے گیسو پریشاں اندنوں
کوسے دل میں کیونکر آئے بوئے ایماں اندنوں

علم دیں مفقود ہے گم ہے صراطِ مستقیم
خضر رہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں اندنوں

اپنے اُشتر کو یہ کیا لیجائے گا سوئے حجاز
مست خود ہے بنیڈ کی گت پر حدی خواں اندنوں

بڑھ رہا ہے کفر زُلفِ علّت و معلول سے
حُسنِ فطرت ہے حجابِ روئے یزداں اندنوں

شارحِ دیوانِ ہستی ہے قیاسِ مغربی
ہے ازل بھی تجربوں کے زیرِ فرماں اندنوں

یاد کرتا ہے گذشتہ با اثر لاحول کو
شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطاں اندنوں

کفر نے سائنس کے پردے میں پھیلائے ہیں پاؤں
بے زباں ہے برہمِ دل میں شمعِ ایماں اندنوں

صورت امروز میں گم ہے نگاہِ ناتواں
نقشِ فردا چشمِ باطن سے ہے پنہاں اندنوں

زندگانی کی چمک سے دیدۂ عبرت ہے بند
کم نظر ہے جانبِ گورِ غریباں اندنوں

ہے اوولیوشن[1] بس اک تفسیر ربّ العالمیں
کاش اس نکتہ سے واقف ہوں مسلماں اندنوں

مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ ہی پر ختم ہے قولِ فلسفہ[2]
کیوں عبث برپا ہے اتنا شورِ طفلاں اندنوں

ہیں مشاغل محفلِ احباب کے ناگفتہ بہ
دم بخود بیٹھا ہے اکبر سا سخنداں اندنوں

ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ سارے شعبدے
دیکھ تو اُنکے یہاں مذہب کا ساماں اندنوں

جنکے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
اُن کی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں

[1] ارتقا [2] مسئلہ تنازع للبقا

کاں نے ہوش کو الجھایا ہے افسانوں میں
آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں مے خانوں میں
واہ کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانوں میں

شیخ جی آپ کو اللہ سلامت رکھے
آپ کا دم بھی غنیمت ہے مسلمانوں میں

نام اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں
پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

پڑھ کے منصور کی حالت مجھے وجد آتا ہے
خوب مضمون ہیں اللہ کے دیوانوں میں

گرمیٔ دل جو ہے منظور تو منطق یہ نہ جا
عشق ہے آگ لگانے کے لئے جانوں میں

جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبرؔ
مردِ عاقل ہے وہی دہر کے نادانوں میں

صاحبِ حُسن مری آہ سے خوش رہتے ہیں
جس طرح اہلِ سخن واہ سے خوش رہتے ہیں

ہر مصیبت کی یہ توجیہ کیا کرتا ہے
اِس لئے ہم دلِ آگاہ سے خوش رہتے ہیں

قابلِ قدر طبیعت ہے ہماری اکبرؔ
ہیں مصیبت میں اور اللہ سے خوش رہتے ہیں

یہ نکتہ ہائے بصیرت افزا جہانِ معنی میں کم نہیں ہیں
کہ شکلِ ظاہر جو دیکھتے ہو ہمارا پرتو ہی ہم نہیں ہیں

کنارہ کش ہو گئے ہر اک سے نہ سو تعلق نہ سو تردد
خوشی نہیں ہے یہی ہے اِک غم طرح طرح کے الم نہیں ہیں

۴

کچھ آج علاجِ دلِ بیمار تو کر لیں
اے جانِ جہاں آؤ ذرا پیار تو کر لیں

مُنھ ہم کو لگاتا ہی نہیں وہ بتِ کافر
کہتا ہے یہ اللہ سے انکار تو کر لیں

سمجھے ہوئے ہیں کام نکلتا ہی جنوں سے
کچھ تجربۂ سبحۂ و زنار تو کر لیں

سو جان سے ہو جاؤنگا راضی میں سزا پر
پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کر لیں

حج سے ہمیں انکار نہیں حضرتِ واعظ
طوفِ حرمِ کوچۂ دلدار تو کر لیں

منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوتِ اکبرؔ
خیر اس سے ہے کیا بحث ہم اصرار تو کر لیں

یہ خیر اندیش بھی حاضر ہے مدّاحو نکے زمرے میں
اِدھر بھی اک نظر اپنی خوش اخلاقی کے صدقے میں

تمھارے مصرعِ قامت کو لکھ کر کاتبِ قدرت نے
دکھادی خوبئ انشائے ہستی ایک جملے میں

اگر ڈھونڈھو تو اکبر میں بھی پاؤگے ہنر کوئی
اگرچہ ہونگا لو عیب تم اچھے سے اچھے میں

کیا کہیں اوروں کو یہ ایسے ہیں وہ ایسے ہیں
سچ جو پوچھو تو ہمیں کون بہت اچھے ہیں

جانتے ہیں کہ اجل سر پہ کھڑی ہے لیکن
محو ہیں انجمنِ دہر میں خوش بیٹھے ہیں

عقل حیران ہے پروانوں کی اس حالت پر
شمع کو حس نہیں یہ جان لٹائے دیتے ہیں

مُنھ دیکھتے ہیں حضرتِ احباب پی رہے ہیں
کیا شیخ اسی لئے اب دنیا میں جی رہے ہیں

میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم
حیرت میں آکے بولا کیا آپ جی رہے ہیں

احباب اُٹھ گئے سب اب کون ہمنشیں ہو
واقف نہیں ہیں جن سے باقی وہی رہے ہیں

پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا مِسوں کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

دل کو خود چھیڑے جو وہ ترچھی نظر تو کیا کروں
چین سے رہنے نہ دے دردِ جگر تو کیا کروں

جانتا ہوں میں کہ خواہش موت کی اچھی نہیں
زندگی بے لطف ہو جائے مگر تو کیا کروں

سینے سے پُرسوز آہیں اُٹھتی ہیں اے ہمنشیں
لب پہ آکر یہ جو نکلیں بے اثر تو کیا کروں

ہے خطا میری جو نکلے منھ سے لفظ آرزو
آنکھ سے نکلے محبت کی نظر تو کیا کروں

دیر کیسا دل ہی میں کر لیتے ہیں یہ بُت گذر
جلوہ گاہ اُنکا خدا ہی کا ہو گھر تو کیا کروں

کھل گیا مجھ پر درِ دل اے حضور
غم نہیں گر آپ کا در وا نہیں

آگیا فضلِ خدا سے فنِّ صبر
اب مصیبت کی مجھے پروا نہیں

کروں جو سنے اسکا میں کیا گلا کہ تو صبا انکی دھن ہی نہیں
مرا حال تو ہے یہ ہمنشیں کہ خود آپ اپنی خبر نہیں

گردشِ گردوں سے ہردم وہم رنج افزا میں ہیں
یہ بھی اک سودا ہے ورنہ کیا ہیں ہم دنیا میں ہیں

ناصحِ ناداں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں
کیا سمجھتا؟ عالمِ دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

عالم ہے بے خودی کا مے کی دُکان پر ہیں
ساقی پہ ہیں نگاہیں ہوش آسمان پر ہیں

دل اپنی ضد پہ قایم وہ اپنی آن پر ہیں
جتنی مصیبتیں ہیں سب میری جان پر ہیں

دنیا بدل گئی ہے وہ ہیں ہمیں کہ ابتک
اپنے مقام پر ہیں اپنے مکان پر ہیں

میرا وہ دل نہیں ہے جو ہم نشین لب ہو
یہ آپ ہیں کہ ہردم اپنی زبان پر ہیں

پامال ہیں مگر ہیں ثابت قدم وفا میں
ہم مثل سنگ در کے اُس آستان پر ہیں

ابتک ہے یاد ہمکو اپنی بلند نامی
اب بھی مٹے ہوے ہم مٹتے نشان پر ہیں

ہر در کو ہم نے پایا ہے جلوہ گاہ تیرا
نقشِ جبیں ہمارے ہر آستان پر ہیں

یہ صورتیں تمھاری یہ ناز یہ ادائیں
قربان اے بتو ہم خالق کی شان پر ہیں

انداز وہ تظفر کے جو آرزو کو روکیں
باتیں جو کردیں ساکت اُن کی زبان پر ہیں

شکرِ خدا کہ اُنکے قدموں پہ سر ہے اپنا
اسوقت کچھ نہ پوچھو ہم آسمان پر ہیں

یہ قطرہ ہاے شبنم ہیں زینتِ گلِ تر
یا موتیوں کی لڑیاں اُس گل کے کان پر ہیں

ہر ذرہ کوئے عشقِ احمد کا کہ رہا ہے
جو اِس زمین پر ہیں وہ آسمان پر ہیں

ابتک سجھ رہے ہیں دل میں مجھے مسلماں
قائم ہنوز یہ بت اپنے گمان پر ہیں

اسلوب نظم اکبر فطرت سے ہے قریں تر
الفاظ ہیں محل پہ معنی مکان پر ہیں

اک نقش مٹ گیا ہے روتے نشان پر ہیں
دل میں ہے داغ حسرت قصّے زبان پر ہیں

خلقت میں جلوۂ حق پاتے ہیں اہل عرفاں
آنکھیں زمین پر ہیں دل آسمان پر ہیں

ہے دیدنی یہ گرمی بازار کافری کی
گاہک بنا ہے تقوی بت بھی دُکان پر ہیں

کرتا ہوں میں جو آہیں کہتے ہیں یہ ہیں مہمل
یہ اعتراض اُنکے دل کی زبان پر ہیں

کرتی ہے بیخودی میں سوزِ درِ دل کو ظاہر
اے شمع ہم تو عاشق تیری زبان پر ہیں

فریادِ مرغِ بسمل سمجھو تڑپ کو اُس کی
اِسوقت بے کسی میں گویا زبان۔ پر ہیں

آزاد و بینوا ہیں کیسا مکان و مسکن
بس جس نے دل میں جا دی اسکے مکان ہیں

دیکھ اے نگاہ حیراں یہ عشوۂ حوادث
لے مول اے زلیخا یوسف دکان پر ہیں

مرحوم دل بھی کیا تھا کیا سر تمیں تھیں اسمیں
ابتک کچھ اس کی باتیں میری زبان پر ہیں

دنیا کی غفلتوں کی تصویر ہیں بگولے
بنیاد ہے ہوا پر سر آسمان پر ہیں

امید ہے دعا کی اہل سخن سے اکبر
میرے حقوق بھی کچھ اردو زبان پر ہیں

وفا بتوں میں نہیں ہے خدا کو پائیں کہاں
اسی فراق میں کٹتے ہیں دن کہ جائیں کہاں

سکون دل کی طلب میں اٹھے ہیں گھبرا کر
پہنچ رہینگے کہیں تم سے کیا بتائیں کہاں

جنوں کی مشق بھی ہے عاقلی بھی آتی ہے
یہ سوچتے ہیں کہ کس فن کو آزمائیں کہاں

خرد نے رخ تو کیا بحر معرفت کی طرف
بشر کے دل میں یہ موجیں مگر سمائیں کہاں

یہ کہہ کے خون جگر مانگتا ہے غم دل سے
کہ تیرے گھر میں رہیں ماتمن تو کھائیں کہاں

امید بوسۂ ابرو و زلف و چشم کسے
مرے نصیب کہاں اور یہ بلائیں کہاں

مفر نہیں ہے ہمیں خانقاہ سید سے
قفس میں ہیں تو اس اڈے کو چھوڑ جائیں کہاں

خدا کیو اسطے دنیائے دوں سے منہ موڑے ہیں
وہی ہیں مستند انساں مگر افسوس تھوڑے ہیں

مرے خطاب بے اثر ہیں اس نگاہ تیز کے آگے
وہاں ہے تار بجلی کا یہاں کاغذ کے گھوڑے ہیں

بتوں پر دسترس آساں نہیں اے اکبر ناداں
چھوئے ہیں پاؤں انکے جبکہ برسوں ہاتھ جوڑے ہیں

ہم کب شریک ہوتے ہیں دنیا کی جنگ میں
وہ اپنے رنگ میں ہے ہم اپنی ترنگ میں

مفتوح ہو کے بھول گئے شیخ اپنی بحث
منطق شہید ہو گئی میدان جنگ میں

وہسکی کی بو سے شیخ کی چتون بدل گئی
ان کی نظر بھی مل گئی ساقی کے رنگ میں

تحقیر مولوی کی نہ کراے گریجوئیٹ
واللہ اب بھی فرد ہیں یہ اپنے ڈھنگ میں

بلبلِ دل کے لئے ہر داغ گلشن ہے یہاں
ہر نفس راہِ جنوں میں گل بداماں ہے یہاں

ہے تجلّی نورِ حیرت کی ہر آہِ شعلہ بار
ہر طپش سینے کی برقِ طورِ ایمن ہے یہاں

شعلہ ہائے غم سے ہے نشو و نمائے باغِ دل
دامنِ ابرِ کرم ہر برقِ خرمن ہے یہاں

راحت و آرام جاں پر ہے مقدم یادِ دوست
راہِ ظلمات جو چلے وہ ساحلِ روشن ہے یہاں

منزلِ ذوقِ نظر ہے سالکوں کو پُر خطر
عکسِ نقشِ عالمِ ایجاد رہزن ہے یہاں

شعلۂ غم سے دلِ سوزاں میں اک جان آگئی
روح پرور اختلاطِ برق و خرمن ہے یہاں

کتابِ دل میں میرے عاشقانہ دیکھ کر مضمون
کیا اس حسنِ چشم نے ایما کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

مری بیتابیِ دل پر ادا سے مسکراتے ہیں
تماشا کرتے ہیں تجلی پہ وہ تجلی کراتے ہیں

فانی ہے حُسن بت یہ میں کیا جانتا نہیں
مشکل یہ آپڑی ہے کہ دل مانتا نہیں

فریادیں کے کاش طریقے ہوں منضبط
یک لخت ظلم کی بھی تو وہ ٹھانتا نہیں

اس انقلاب پر جو میں رووں تو ہے بجا
مجھکو وطن میں اب کوئی پہچانتا نہیں

کس منہ سے چلوں رسول تو دنیا سے اٹھ گئے
اللہ ہے سو اسکو میں پہچانتا نہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام
اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

اکبر ہنوز آن سے ہے امیدوارِ لطف
بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہیں

جب وقف ہے زبان بتوں ہی کی راہ میں
دل بھی نہ رہ سکیگا خدا کی پناہ میں

بدلے ہی گا اِک دن دورِ فلک مایوس یہ ناحق ہم تم ہیں
گلزار میں ہے پھولوں کی دمک افلاک پہ تاباں انجم ہیں
کیسا یہ اثر اس دور میں ہے ساقی کی نظر بھی غور میں ہے

جو مست ہیں اُنکو ہوش نہیں جو ہوش میں ہیں وہ گُم صُم ہیں
ہر حال میں ہے خالق پہ نظر ہم اُنمیں نہیں ہیں اے اکبر
جب نعمت ہو تو منطق ہے جب آفت ہو تو گُم صُم ہیں

ظلم جتنے ہیں سہیں پر وہ کئے جاتے ہیں
ہم بھی ایسے ہیں کہ اسیر بھی جئے جاتے ہیں

شیخ کے حق میں اُٹھا رکھا ہے کیا رندوں نے
ظرف انہیں کا ہے کہ سب کچھ یہ پئے جاتے ہیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امرِ ماضی ہیں
جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں

شراب اُڑتی ہے پبلک میں روا ہے خونِ تقوی کا
مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

وہ شرارت سے مرے گھر سرِ شام آتے ہیں
یہ دکھانا ہے کہ غیروں کے پیام آتے ہیں

غیر کے ذکر میں کرتے نہیں میرا وہ لحاظ
تذکرے آتے ہیں اور نام بنام آتے ہیں

اعتبار اُنکا کر اکبر جو ہیں پابند نماز
ہیں یہی لوگ کہ جو وقت پہ کام آتے ہیں

وعظ کالج میں جو کہنے اُٹھے ہیں اکثر اکبر
کیا یہ گرتی ہوئی دیوار کو تھام آتے ہیں

حورِ مس کو مئے گلگوں کو پری کہتے ہیں
شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ اللہ یہ نورِ فلک و رنگ زمیں
سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہیں

حسن کے باب میں اکبر کی سند ٹھیک نہیں
یہ تو ہر اک بُت کمسن کو پری کہتے ہیں

میں نے دیکھی ہیں غزالوں کی بہت چالاکیاں
ہائے ان آنکھوں کی سی انمیں کہاں بیباکیاں

روکدیں اُنمیں حیا نے نشہ کی بیباکیاں
رہ گئیں میری تمنا کی وہ سب چالاکیاں

ایک گردش میں کیا خونِ دو عالم کو مباح
چشمِ مستِ ناز کی اللہ رے سفاکیاں

بحرِ غم کو کر دیا افسردگی نے منجمد
ہو چکیں دردآشنا دل کی وہ سب تیراکیاں

دیکھ تو لے دستِ ساقی میں مئے گلگوں کا جام
شیخ کی نیت کی رہجائینگی ساری پاکیاں

عیش باغِ اکبر کا جو تھا اب وہ اک غنچہ نہ ہے
ذکرِ مرگِ آرزو ہے اور گروہِ باکیاں

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہوگیا ہوں
کافی ہے سوزِ باطن انوارِ معرفت کو

اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہوگیا ہوں
اپنی ہی شمعِ دل کا فانوس ہوگیا ہوں

کتنی باتیں پیہم اس دورِ فنا میں ہوچکیں
سوچ تو دل میں تو اے مصروفِ حالِ صبح و شام

ابتدا میں کتنی داخل انتہا میں ہوچکیں
کتنی صبحیں ہوچکیں اور کتنی شامیں ہوچکیں

فکرِ دنیا انبساطِ دل سے ہے ناآشنا
آپ کی کلیاں شگفتہ اس ہوا میں ہوچکیں

ہر اک یہ کہتا ہے اب کارِ دیں تو کچھ بھی نہیں
تمام عمر یہاں خاک اوڑا کے دیکھ لیا
مری نظر میں تو بس ہے انہیں سے رونقِ بزم
حرم میں مجھ کو نظر آئے صرف زاہدِ خشک
ترے لبوں سے ہے البتہ اک حلاوتِ زیست
دماغ اب تو مسوں کا ہے چرخِ چارم پر
یہ قول حضرتِ محشر کلامِ شاعر کا

یہ سچ بھی ہے کہ مزا بے یقیں تو کچھ بھی نہیں
اب آسمان کو دیکھوں زمیں تو کچھ بھی نہیں
وہی نہیں ہیں جو اے ہم نشیں تو کچھ بھی نہیں
مکان خوب ہے لیکن مکیں تو کچھ بھی نہیں
نبات۔ قند۔ شکر۔ انگبیں تو کچھ بھی نہیں
بڑھا دیا مری خواہش نے تھیں تو کچھ بھی نہیں
پسند آئے تو سب کچھ نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ کہتے ہیں کہ تمھیں ہو جو کچھ ہوا اے اکبر
ہم اپنے دل میں یہ کہتے ہیں تو کچھ بھی نہیں

ہے دلیلوں سے نہیں پیدا یقیں کیونکر کریں
کس طرح دنیا کو چھوڑیں ہے بنائے زندگی

سارا عالم کہہ رہا ہے ہاں نہیں کیونکر کریں
ہے مدارِ کار ملت ترک دیں کیونکر کریں

مغربی علم و ہنر تو خوب ہے اکبر مگر
اپنی اس تعلیم پر ہم آفریں کیونکر کریں

غضب ہیں ظاہری صورت کے جلوے بزم ہستی میں
حقیقت پر نظر رہتی نہیں غفلت کی مستی میں

فلک دیتا ہیں کچھ اوج رخ کرتے جو پستی کا
خیالوں کی بلندی نے بٹھا رکھا ہے پستی میں

کسی کو یاں بقا نہیں۔ کوئی سدا رہا نہیں
یہاں کا رنگ ہی یہ ہے ہمیں تو کچھ گلا نہیں

ہمارا دور ہو چکا۔ زمانہ اب گیا بدل
جہاں کا وہ چلن نہیں۔ فلک کی وہ ادا نہیں

بڑے جو ہیں وہ بے ثمر۔ جو خرد ہیں وہ خیرہ سر
عطا نہیں کرم نہیں ادب نہیں وفا نہیں

جو مال ہی پہ ہے نظر تو خون ہے اور ترا جگر
مرض ہے جسکو حرص کا۔ کبھی اسے شفا نہیں

یہی تھی شرط عاشقی۔ کبھی مری خبر نہ لی
یہ کیا سبب نظر تری۔ مری طرف ذرا نہیں

غرور تھا نمود تھی۔ ہٹو بچو کی تھی صدا
اور آج تم سے کیا کہوں لحد کا بھی پتا نہیں

بوسۂ زلف سیہ فام ملے گا کہ نہیں
دل کا سودا ہے مجھے دام ملیگا کہ نہیں

خط میں کیا لکھا ہے قاصد کو خبر کیا اسکی
پوچھتا ہے مجھے انعام ملے گا کہ نہیں

میں تری مست نظر کا ہوں دعاگو ساقی
صدقہ آنکھوں کا کوئی جام ملے گا کہ نہیں

قبر پر فاتحہ پڑھنے کو نہ آئینگے وہ کیا
جان دینے کا کچھ انعام ملے گا کہ نہیں

تو کسی سمت سے آتی نہیں ہمدردی کی
مجھ کو مجھ سا کوئی ناکام ملے گا کہ نہیں

جستجو ہی میں وہ لذت ہے کہ اللہ اللہ
کیوں میں پوچھوں وہ دل آرام ملیگا کہ نہیں

آرزو مرگ کی تم کرتے ہو اکبر لیکن
سوچ لو قبر میں آرام ملیگا کہ نہیں

حسن خرابی کا نہیں باقی رہا غم کیا کریں
مرگ دل سے ہو گئی تسکین ماتم کیا کریں

تیغ قاتل چل رہی ہے اندنوں مثل نسیم
ہے بہار زخم دلکش فکر مرہم کیا کریں

مرشدوں میں سے تو ہر اک جانتا ہے اپنا کام
ہاں مرید اب تک نہیں واقف ہوئے ہم کیا کریں

شیخ کے آگے نہ مے پیتا نہیں از راہ خوف
گردن مینا کو اس کے سامنے خم کیا کریں

خوف حق عشق بتاں نازک ہیں دونوں مسئلے
سخت مشکل ہے زیادہ کیا کریں کم کیا کریں

کچھ مزا گیہوں کا کچھ حوّا کے کہنے کا خیال
آپ ہی کہیے کہ اسموقع پر آدم کیا کریں

میری یہ بے چینیاں اور انکا کہنا ناز سے
ہنس کے تمسے بولتے ہیں اور اب ہم کیا کریں

بے وقت کا راگ ہے نہ سنیے
واعظ کو مگر جھنجھوڑیے کیوں

اکبر سے نہ کہیے راے سرجن
اُمیدِ مریض توڑیے کیوں

ہے تگاپو اسقدر مرکز مگر کوئی نہیں
فرنیچر ہم لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں

کہتی ہیں آہیں کرینگے تیرے دلکا ہم رفام
سب مگر شہرت طلب ہیں با اثر کوئی نہیں

کیمپ میں پاتا ہوں یار ونکو جو کو دن بیشتر
یہ اثر اصطبل کا ہے ورنہ خر کوئی نہیں

اِدھر اُترا ہے چہرہ کوہکن کا کوہ پر چڑھ کر
اُدھر کب تخت پر سے حضرتِ پرویز اُترتے ہیں

حرم والوں سے کیا نسبت بھلا ہم اہلِ ہوٹل کو
وہاں قرآن اُترا ہے یہاں انگریز اُترتے ہیں

مرے الفاظ کا رنگ آج مستانِ سخن دیکھیں
یہ شیشے بادۂ مضموں کے کتنے تیز اُترتے ہیں

دہر میں سوختۂ گرمیٔ بازار نہ ہو
دل میں ہو خون تو سودا کا خریدار نہ ہو

نقشِ دل ہو صفتِ معنیٔ رنگیں پیوست
رنگ ظاہر پہ نہ جا نقش بہ دیوار نہ ہو

جنگجوئی فصحا رکھ نہیں سکتے جائز
اِنکی خواہش ہے کہ لفظوں کی بھی تکرار نہ ہو

سانس کی طرح چلے منزلِ ہستی میں بشر
مدّعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بیکار نہ ہو

نہیں آزاد جو اپنوں سے تعلق کرے قطع
وہ ہے آزاد جو غیروں کا گرفتار نہ ہو

سرو سے بھی رہوں آزاد تو اِس گلشن میں
نخلِ ہستی پہ مرے برگ کا بھی بار نہ ہو

مقدرت شرط ہے ہرچند کہ ہو قدر شناس
بے بصیرت نہ سمجھ لو جو خریدار نہ ہو

بزم ہے شعلہ مزاجوں کی سنبھل اے اکبر
برقِ خرمن کہیں یہ گرمیٔ گفتار نہ ہو

اے بتو بہرِ خدا درپئے آزار نہ ہو
خیر راحت نہ سہی زیست تو دشوار نہ ہو

یارب ایسا کوئی بتخانہ عطا کر جس میں
ایسی گذرے کہ تصوّر بھی گنہگار نہ ہو

معترض ہو نہ مری عزلت و خاموشی پر
کیا وہ مستی کہ دمِ چند میں تکلیفِ خمار
جان فرقت میں نہ نکلی تو مجھے کیوں ہو عزیز
ناز کہتا ہے کہ زیور سے ہو تزئینِ جمال
دل وہ ہے جسکو ہو سودائے جمالِ معنی
دل پُر داغ کو ارماں کہ گلے انکو لگائے

کیا کروں جبکہ کوئی محرمِ اسرار نہ ہو
مست وہ ہے کہ قیامت میں بھی ہشیار نہو
دوست وہ کیا جو مصیبت میں مددگار نہو
نازکی کہتی ہے سرمہ بھی کہیں بار نہو
آنکھ وہ ہے کہ جو صورت کی خریدار نہو
انکو یہ ڈر کہ گلے کا یہ کہیں ہار نہ ہو

عاشقِ چشمِ سیہ مست تو زنہار نہ ہو
ہر غبارِ رہِ الفت ہے مرا سرمۂ چشم
لن ترانی کی خبر عشق نے سن رکھی ہے
تمکو سودائے ستم کیوں ہے جو ہے شوقِ فروغ

دیکھ اس جان کی گاہک کا خریدار نہو
دل یہ کہتا ہے کہ یہ خاک در یار نہو
پھر بھی مشکل ہے کہ وہ طالبِ دیدار نہو
کیا تلطف سببِ گرمیٔ بازار نہو

قیمتِ دل تو گھٹانیکا نہیں میں اکبر
بے بصیرت نہیں ہوتا جو خریدار نہو

قلزم کی تہ ٹٹولو یا ایرشپ[1] میں جھولو
زخمی کیا جو تم نے ترچھی نظر سے مجھ کو
باغ و چمن چھڑایا دورِ فلک نے ہمسے
خاکی نہاد ہم ہیں مائل ہیں خاک ہی پر
برباد و منتشر بھی ہو گئے اسی ہوا سے

جب بھی یہی کہوں گا اللہ کو نہ بھولو
برچھی کا یہ تو پھل ہے اسپر بہت نہ پھولو
سائے میں اپنے ہمکو لیلو اب لے بولو
شعلوں سے کوئی کہدے تم آسمان چھولو
کس زعم میں اٹھے ہو تن کر تم اے بگولو

۴

ہنگامۂ جہاں سے آزردہ ہو گئے اکبر
گوشے میں جاکے بیٹھو اور جام ہو سبو لو

ہو اگر ہمتِ عالی دلِ آگاہ کے ساتھ
طفلِ دل چھوڑے نہ دامانِ قناعت ہرگز

غیر ممکن ہے محبت نہ ہو اللہ کے ساتھ
یہی بہتر ہے رہے اپنے ہی خواہ کے ساتھ

[1] ہوائی جہاز

اُس ترقی کو ترقی میں کہوں گا اکبر
خود بھی بڑھتے رہیں احباب جو تنخواہ کے ساتھ

بے بصیرت پہ ہدایت نے کیا کچھ نہ اثر
ہے یہ افسوس کہ آنکھیں نہ کھلیں راہ کے ساتھ

رنگ تیرا ہمیں مطبوع نہیں اے دُنیا
تجھ میں ہم جی تو رہے ہیں مگر اکراہ کے ساتھ

دوست کہتے ہیں تغزل نہیں تجھ میں اکبر
دل لگانا ہی پڑا اب بُتِ گمراہ کے ساتھ

دیکھئے ربطِ نسیمِ سحر و غنچۂ و گل
یونہیں دل کھول کے ملتے ہیں ہوا خواہ کیساتھ

شورِ تحسیں تو سخن پر ہے تمھارے اکبر
زر کی جھنکار بھی سنتے ہو کہیں واہ کیساتھ

ہوگیا عشق تری زلفِ گرہگیر کے ساتھ
سلسلہ دل کا ملا تھا اِسی زنجیر کے ساتھ

لذتیں کرتی ہیں انسان کو دنیا میں ہلاک
زہر دیتی ہے یہ ظالم شکر و شیر کے ساتھ

پیار کے ساتھ خوشامد بھی کرونگا شبِ وصل
ہے یہ لازم کہ دعائیں بھی ہوں تدبیر کے ساتھ

جنبشِ ابروے قاتل کا اشارہ ہے یہی
کام چلتا ہے جو دنیا میں تو شمشیر کے ساتھ

عمر زنداں میں کٹی شوق رہائی رخصت
ہوگیا اُنس مرے پاؤںکو زنجیر کے ساتھ

یاں کے معشوقوں کو مرشد نہ کریں کیوں آزاد
زہرہ جب ناچ رہی ہے فلکِ پیر کے ساتھ

مست ہے نغمۂ بلبل سے چمن میں اکبر
آپ محفل میں سنیں راگ مزامیر کے ساتھ

میری تقدیر موافق نہ تھی تدبیر کے ساتھ
کھل گئی آنکھ نگہباں کی بھی زنجیر کے ساتھ

کھل گیا مصحفِ رخسارِ بتانِ مغرب
ہوگئے شیخ بھی حاضر نئی تفسیر کے ساتھ

ناتوانی مری دیکھی تو مصوّر نے کہا
ڈر ہے تم بھی کہیں کھنچ آؤ نہ تصویر کے ساتھ

ہوگیا طائرِ دل صیدِ نگاہِ بے قصد
سعی بازو کی یہاں شرط نہ تھی تیر کے ساتھ

لحظہ لحظہ ہے ترقی پہ ترا حسن و جمال
جس کو شک ہو تجھے دیکھے تری تصویر کے ساتھ

بعد سید کے میں کالج کا کروں کیا درشن
اب محبت نہ رہی اُس بُتِ بے پیر کے ساتھ

میں ہوں کیا چیز جو اُس طرز پہ جاؤں اکبر
ناسخ و ذوق بھی جب چل نہ سکے میر کے ساتھ

رات پروانہ یہ کہتا تھا عجب ناز کے ساتھ
خضر کا کام نہیں سالک جانباز کے ساتھ

شان مذہب پہ رہا فلسفہ حیران مدام
اسقدر جوشِ جنوں اور اس اعزاز کے ساتھ

کیا ہوا کوئی جو اکبر کا ہم آہنگ نہیں
باغ میں نغمۂ بلبل بھی نہیں ساز کے ساتھ

مجھکو محبت اب نہ رہی زندگی کے ساتھ
کیا زندگی گذر نہ سکے جب خوشی کے ساتھ

خلق مجکو سب نے خوشامد سمجھ لیا
کیا کیا مصیبتیں ہیں غریب آدمی کے ساتھ

یہ ابر زلف یہ برقِ نظر معاذ اللہ
اگرچہ سین ہے دلکش مگر معاذ اللہ

میں کیا کہوں شبِ فرقت میں مجھپہ کیا گذری
عجیب حال رہا رات بھر معاذ اللہ

بتوں کے عشق میں کیا کچھ نہیں کیا میںنے
بہت رہی ہے لبِ شیخ پر معاذ اللہ

طلسمِ حسن بتاں کے نہ پوچھیئے احوال
دہن کا ذکر ہی کیا ہے کمر معاذ اللہ

جنابِ شیخ بھی آخر بسر کروں کیونکر
جدھر اُٹھاتا ہوں آنکھیں اُدھر معاذ اللہ

جو منھ لگائے وہ بت شیخ بھی پڑھیں الحمد
یہ دوری سے ہے بس اسقدر معاذ اللہ

فریبِ چشم ہے خوانِ جہاں کا رنگ اکبر
(مزا۔زبان کا فتنہ) اثر معاذ اللہ

یہ عمر یہ حسن اور ناز و ادا اسپر یہ سنگار اللہ اللہ
ستی نگہ آفت آفت کی جگہ سینے کا اُبھار اللہ اللہ

یہ گیسوئے پیچاں دام خرد یہ نرگسِ فتاں دشمنِ دیں
یہ عارض نگہیں غیرتِ گل ہستی کی بہار اللہ اللہ

کانوں میں ترے کندن کی دمک بالوں میں ترے عنبر کی مہک
سینے پہ جواہر کی یہ چمک اور اُسپہ یہ ہار اللہ اللہ

بکھری ہوئی زلفیں دام بلا جنبش مژگاں تیر قضا
تقویٰ کی عدو یہ لغزش پا یہ رنگ خمار اللہ اللہ

خود خامۂ قدرت نازاں ہے ہر چشم تماشا حیراں ہے
اس صفحۂ عنصر خاکی پر یہ نقش و نگار اللہ اللہ

اسلام میں اکبر کو یہ غلو یہ رنگ ورع یہ زہد کی بو
اور اُس محبت کا نہ بجا انکو یہ عشق یہ پیار اللہ اللہ

کیا رہے دور فلک میں کوئی تمکین کیساتھ
جب زمانہ نہ چلے ایک ہی آئین کے ساتھ

غرب کی مدح بھی ہے شرق کی تحسین کیساتھ
ہم پیانو بھی بجانے لگے اب بین کیساتھ

اس تماشا گہہ ہستی میں مجھے حیرت ہے
اک نیا فلسفہ ہو جاتا ہے ہر سین کیساتھ

شیخ ڈرتے ہیں کہیں دم نہ نکل جاوے مرا
اُنس اسوجہ سے کم رکھتے ہیں یاسین کیساتھ

مخلصانہ جو نہ ہو مدح تو کیا لطف آئے
چشم غماز کی گردش بھی ہے تحسین کیساتھ

دل دیا۔ مال دیا۔ پیار کیا انکو مگر
ان بتوں کو وہی کاوش ہے مرے دین کیساتھ

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

سوچ تجھکو ہے اگر آیندہ پالیٹکس کی
لے نتائج سے مدد اور سپہری میں فال دیکھ

شوق طول و پیچ اس ظلمتکدہ میں ہے اگر
بات بنگالی کی سن بنگالنوں کے بال دیکھ

دل یہ کہتا ہے کہ ہجرت ہند سے لازم ہے اب
عقل کہتی ہے کہ اکبر اور دو اک سال دیکھ

حسن مس پر کر نظر مذہب اگر جاتا ہے جائے
قدرداں کو نرخ کی کیا بحث اکبر مال دیکھ

ہنر سے بھی فوائد ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے
سبب یہ ہے کہ ہم اسمیں یکدل ہو نہیں سکتے

حکومت ایشیا پر قسمت مغرب میں ہے جبتک
کمالات اُسکے جو ہیں ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے

اثر ہے طاعت و حسن عمل کا گو کہ قسمت پر
مگر اُس انجمن میں لوگ داخل ہو نہیں سکتے

معین ہی نہیں جنکے اصول و ماخذ لے اکبر
قیامت تک وہ سرداری کے قابل ہو نہیں سکتے

اگر اندازۂ قوت سے تمنا نہ بڑھے
رنج پیدا کیجیے ہو دل میں تو اتنا نہ بڑھے

حرص گھٹ جاوے وہی نعمت عظمیٰ ہو گی
میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھے

اسی ہستی کو دیکھے اکبر اگر ذوق تعقل ہے
کہیں مٹی کہیں پتی کہیں غنچہ کہیں گل ہے

وہی انساں وہی آنکھیں وہی جینا وہی مرنا
کہیں اللہ اکبر ہے کہیں الحاد کا غل ہے

گلستانِ سخن ہے بزم ساقی فیض معنی ہے
زبانِ خامہ کہتا ہے یا منقار بلبل ہے

منظور ہے مجھے شکوۂ بیداد بتاں سے
للہ بتا دے کوئی اللہ کہاں ہے

ہوا ہوں شاہ جنوں کی خوش انتظامی سے
خدا بچائے مجھے ہوش کی غلامی سے
قشان کھو کے بگولے کی طرح اٹھتے ہیں
تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے
اٹھے گا فتنۂ محشر تو اُن کا کیا نقصاں
وہ باز آئینگے کیوں مشق خوشخرامی سے

رنگ دیکھے جہان فانی کے
کھیل ہیں دور آسمانی کے
شیخ سے مجھسے اب نہیں ہے بگاڑ
ہو چکے ولولے جوانی کے

معزلوں دور ابھی دانش سے خدا کی ذات ہے
خرد میں اور دویں تک انکی بس اوقات ہے

تکلف انھیں کے لئے کیجئے
فقیروں کی کیا ہے جہاں پڑ رہے
بتوں سے بھی لڑتی نہیں یاں تو آنکھ
برہمن ہیں لندن تلک لڑ رہے

طلب ہے حق کی تو مل آ کے ہمسے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

حلقے نہیں ہیں زلف کے حلقے ہیں جال کے
ہاں اے نگاہ شوق ذرا دیکھ بھال کے
پہونچے ہیں تا کمر جو ترے گیسوئے رسا
معنے یہ ہیں کمر بھی برابر ہے بال کے
بوس و کنار و وصل حسیناں ہے خوب شغل
کمتر بزرگ ہونگے خلاف اس خیال کے
قامت سے تیرے صانعِ قدرت نے اے حسیں
دکھلا دیا ہے حشر کو سانچے میں ڈھال کے
شانِ دماغ عشق کے جلوے سے یہ بڑھی
رکھتا ہے ہوش بھی قدم اپنے سنبھال کے
زینت مقدر ہے مصیبت کا دھر میں
سب شمع کو جلاتے ہیں سانچے میں ڈھال کے
ہستی حق کے سامنے کیا اصل این و آں
پتلے یہ سب ہیں آپکے وہم و خیال کے
تلوار لیکے اٹھتا ہے ہر طالب فروغ
دور فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے

پیچیدہ زندگی کے کرو تم مقدمے
دکھلا ہی دے گی موت نتیجہ نکال کے

دلکش صدائے صور تو ایسی نہ تھی مگر
تعظیم حشر کے لیے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

تہذیب مغربی کی بھی ہے وارنش غضب
ہم کیا جناب شیخ بھی چکنے گھڑے ہوئے

نکل جائے دم غم سے جب آہ نکلے
مصیبت میں ہوں کوئی تو راہ نکلے

میں سمجھا تھا کنجِ قناعت کا ساتھی
مگر آپ تو شائق جاہ نکلے

مزاج شریف اُنہیں باقی نہیں ہے
تو کیا منھ سے الحمد للہ نکلے

ترے بعد اکبر کہاں ایسی نظمیں
وہ دل ہی نہ ہونگے کہ یہ آہ نکلے

دلِ زلف کے کوچے میں شاداں نرا پھر کے
صد شکر کہ بچ نکلا احسان سے کافر کے

ایمان کے دشمن ہیں جلوے بتِ کافر کے
مٹتے تو ذرا دیکھو ترکیب عناصر کے

اے غولِ ہوس کب تک یہ شمع فریب آخر
رہرو تو ترے سب ہیں ظلمت ہی میں ہر پھر کے

بہکائے جو نہ ہم تجھکو کر ناز نہ اے دنیا
ہم عرش پہ جا پہونچے ہیں ٹھوکر سے تیرے گر کے

باطن نہ کرے تیرہ مقبول ہے وہ ظاہر
رکھتے ہیں نظر ہم بھی منکر نہیں ظاہر کے

گذرے جب ادھر سے وہ سرگرم فغاں تھا میں
تسکین تو کیا دیتے دیکھا بھی نہیں پھر کے

اسٹیج پہ دنیا کے کیا سین دکھاؤ گے
کیا لطف اُٹھا پردہ درجے سے اگر گر کے

دنیا کو اقامت کا سمجھے ہو محل شاید
ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے

حصے میں بتوں ہی کے آئی تری عمر اکبر
اللہ کو اب دیدے دو دن تو یہ آخر کے

ہیں شیفتہ ہوں آپ سے ہمشکل حسیں کا
حیراں ہوں مرے کام سنور کیوں نہیں جاتے

جب کہتا ہوں مرتا ہوں مری جاں میں تمہیں پر
فرماتے ہیں مرتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے

وہ نیند میں ہیں شہر میں پھرنے لگے پہرے
پوچھے کوئی اکبر سے یہ گھر کیوں نہیں جاتے

دشمنِ راحت جوانی میں طبیعت ہو گئی / جس حسیں سے مل گئیں آنکھیں محبت ہو گئی

باغِ ہستی میں مری ناکامیوں کا رنگ دیکھ / جو تمنا دل میں آئی داغِ حسرت ہو گئی

کھو دیا تمکینِ دیں کو تو نے اے شوقِ نمود / عزتِ اصلی نثارِ نامِ عزت ہو گئی

شیخ دمساز پیانو ہو کے بھولے اپنی لے / گو سُریلے ہو گئے لیکن بُری گت ہو گئی

ہر جنبشِ نگاہ خود اک حجاب ہے / عارض پر اُنکے جلوۂ ہستی نقاب ہے

آرام کی تلاش نے رکھا ہے بیقرار / ہر خواہشِ سکون سببِ اضطراب ہے

نہ روحِ مذہب نہ قلبِ عارف نہ شاعرانہ زبان باقی / زمیں ہماری بدل گئی ہے اگرچہ ہے آسمان باقی

شبِ گذشتہ کے ساز و ساماں کے اب کہاں ہیں نشان باقی / زبانِ شمعِ سحر پہ حسرت کی رہ گئی داستان باقی

جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر / خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقیں رخصت گمان باقی

فضول ہے اُنکی بد دماغی کہاں ہے فریاد اب لبوں پر / یہ وار پر وار اب عبث ہیں کہاں بدن میں ہے جان باقی

میں اپنے مٹنے کے غم میں نالاں اُدھر زمانہ ہے شاد و خنداں / اشارہ کرتی ہے چشمِ دوراں جو آن باقی جہان باقی

اسلیئے رہگئی ہیں آنکھیں کہ میرے مٹنے کا رنگ دیکھیں / سنوں وہ باتیں جو ہوش اُڑائیں اسلیئے ہیں کان باقی

تعجب آتا ہے طفلِ دل پر کہ ہو گیا مستِ نظمِ اکبر / ابھی مِڈل پاس تک نہیں ہے بہت سے ہیں امتحان باقی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے / ڈاکا تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

ناتجربہ کاری سے واعظ کی ہیں یہ باتیں / اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے

اُس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ / مقصود ہے اُس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے

اے شوق وہی مے پی اے ہوش ذرا سو جا / مہمانِ نظر اس دم اک برقِ تجلی ہے

واں دل میں کہ صدمے دو یاں جی میں کہ سب سہ لو / اُنکا بھی عجب دل ہے میرا بھی عجب جی ہے

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے / ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

سورج میں لگے دھبا فطرت کے کرشمے ہیں / بُت ہمکو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا ۔۔۔ برکت جو نہیں ہوتی نیت کی خرابی ہے

سچ کہتے ہیں شیخ اکبر ہے طاعتِ حق لازم
ہاں ترکِ مئے و شاہد یہ اُنکی بزرگی ہے

دیکھیں پروانے کو دعووں پہ اُبھرنے والے ۔۔۔ عشق اسے کہتے ہیں یوں مٹتے ہیں مرنیوالے
نہ رہا یاد انھیں کیا اثرِ فصلِ خزاں ۔۔۔ کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنیوالے
تیز رفتار نہو اسقدر اے موجِ فنا ۔۔۔ تجھ میں کچھ قطرے ہوئے ہیں اُبھرنیوالے

حیرت انگیز ہے یہ رعبِ بتاں اے اکبر
ان سے اب ڈرتے ہیں اللہ سے ڈرنیوالے

جلوۂ گل نے چمن میں مجھے بے چین کیا ۔۔۔ مل ہی جاتے ہیں تری یاد دلانے والے
دیدنی آج ہے اُس بزم میں دنیا کا جمال ۔۔۔ دم بخود بیٹھے ہیں عقبیٰ سے ڈرانے والے
چشم بد دور جنوں کی ہے ترقی مجھ میں ۔۔۔ کیوں نہو مست ہیں خود ہوش میں لانے والے
آج بنگلے میں مرے آئی تھی آوازِ اذاں ۔۔۔ جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے
نہ انھیں ساز کی حاجت ہے نہ سامع کی تلاش ۔۔۔ خوب ہیں فصلِ بہاری کے یہ گانے والے
تیغِ قاتل نے یہ کیا اپنے دکھائے جوہر ۔۔۔ سر بکف پھرتے ہیں اب جان جلانے والے

ذوقِ عرفاں جو نہ ہو بادہ پرستی اچھی ۔۔۔ ہوش اگر دین سے غافل ہو تو مستی اچھی
بت جو مہنگے ہیں تو ہم یادِ خدا کیوں نہ کریں ۔۔۔ ہم غریبوں کو وہی شئے جو ہے سستی اچھی
بحث اس وقت نہیں مقبرہ و مسجد کی ۔۔۔ مگر الحاد سے ارواح پرستی اچھی

شیخ ہوں شہر میں اور کیمپ میں سید ہوں بنا
جسمیں مل جُل کے رہیں سب وہی بستی اچھی

مرید دہر ہوئے وضعِ مغربی کرلی ۔۔۔ نئے جنم کی تمنا میں خودکشی کرلی
نگاہِ نازِ بتاں پر نثار دل کو کیا ۔۔۔ زمانہ دیکھ کے دشمن سے دوستی کرلی

جو حسن بت کی جگہ حلم مس ہوا قائم — تو عشق چھوڑ کے ہم نے بھی نوکری کر لی
زوال قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب — تجارت آپ نے کی ترک نوکری کر لی

شکوۂ بیداد سے مجھکو تو ڈرنا چاہیے — دل میں لیکن آپ کو انصاف کرنا چاہیے
ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب — اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیے
جمع ساماں خود آرائی ہے لیکن اے عزیز — جس کی صورت خوب ہو اسکو سنورنا چاہیے
کیوں نہ لوں نام خدا اس بت کی صورت دیکھ کر — لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ کے مرنا چاہیے
بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد — ہجر کی شب کو بھی تلے گردوں گذرنا چاہیے
عاشقی میں خندہ روئی سا نمونکو ہے محال — ہے یہی منزل کہ چہرہ کو اترنا چاہیے

ہر عمل تیرا ہے اکبر تابع عزم حریف
جب یہ موقع ہو تو بھائی کچھ نکرنا چاہیے

رہی نہ قلب میں قوت زمانہ سازی کی — دعا کرو نہ مری عمر کی درازی کی
فلک نے ہمکو کیا منتخب ستانے کو — ہمیں سے داد بھی چاہیں خوش امتیازی کی
مجرب ایسا ملا نسخہ قوم بازی کا — کہ قدر اٹھ گئی دنیا سے عشق بازی کی
بہت خلوص سے حاضر رہا میں خدمت میں — مگر حضور نے مجھ سے زمانہ سازی کی
خیال کیا ہو کسی کو بنائے مسجد کا — کہ مسجدوں کو ضرورت ہے اب نمازی کی
ہمیشہ پیش نظر ہیں وضو شکن منظر — اس انجمن میں نبھے کس طرح نمازی کی

ہم اپنے حال پر افسوس کیا کریں اکبر
خدا نے شان دکھائی ہے بے نیازی کی

چھڑا ہے راگ بھونرے کا ہوا کی ہے نئی دھن بھی — مخصب ہے سال کے بارہ مہینوں میں پھاگن بھی
یہ رنگ حسن گل یہ نغمۂ مستانۂ بلبل — اشارہ کرتی ہے فطرت ادھر آ دیکھ بھی سن بھی
بڑے دشمن تمہارے ہو گئے راجا کے سیوا سے — مگر من کا بنپنا چاہتے ہو تو کرو پن بھی

ہوسے روشن یہ عنی چاند کیوں شاعر کو پیارا ہے
کمال آمیں یہ ہے عارض بھی ہے ابرو بھی ناخن بھی

جوش میں لائے صبا جسکو وہ خوں اچھا ہے
بوئے گل جسکو ابھارے وہ جنوں اچھا ہے

جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خوں اچھا ہے
کفر پر غصہ دلائے وہ جنوں اچھا ہے

دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اس کی جھلک
بہر تاثیر محبت یہ شگون اچھا ہے

ہاتھ اٹھائینگے نہ یہ دامن منصوری سے
اہل تہذیب کو دنیا میں یہ دوں اچھا ہے

دو پہر کو مرے گھر آئی مس رشک قمر
کہہ دیا میں نے کہ یہ نون کا موں اچھا ہے

مرا دل ان بتوں کے ہاتھ سے واللہ ٹوٹا ہے
خدا ہی اسنے سمجھے گا خدا کے گھر کو لوٹا ہے

خوشی کا رنگ ہے دلمیں نہ سرسبزی امیدوں کی
ہمارا باغ ویراں ہو گیا گل ہے نہ بوٹا ہے

ترے کوچے میں دل نالاں اگر ہے دین سے چھٹکر
تعجب کیا ہے آہیں مدتوں کا ساتھ چھوٹا ہے

تونے کب دل کی مری اے بت عیار سنی
جو سنی بات بلا کر سر دربار سنی

چھوڑ اس بحث کو کچھ اور بیاں کر اکبر
یہ کہانی تری یاروں نے تو سو بار سنی

ابھرا ہے رنگ سودا دنیا ابھی ہری ہے
ہے جوش سو سہم گل جو پھول ہے پری ہے

شمع او پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

دور گردوں میں کسی نے میری غمخواری نہ کی
دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی

حشر کا سودا ہوا ذوق جمال دوست میں
ہمنے بازار جہاں میں کچھ خریداری نہ کی

غم دیا اپنا مگر پروا سے غمخواری نہ کی
دلستانی آپ نے فرمائی دلداری نہ کی

مہوشوں کی مشق سے میں نے نکالا اپنا کام
جب کسی نے قدر آہ و نالہ و زاری نہ کی

شوق کی مستی میں میں دیوانہ ہو کر رہ گیا
حسن کے نشہ نے اسپر بھی ہشیاری نہ کی

کوئے جاناں کا پتہ دیکر میں پہونچا خلد میں
مجھ سے کچھ رضواں نے بحث ناحق آرائی کی

شیخ بھی بھکے مریدوں کو جو دیکھا منتشر
جب محیط آوارہ تھا مرکز نے خودداری ہی کی

وقت سائے کا ابھی آیا نہیں مغرب سے دور
کیوں پسند اس برق وش نے مشرقی ساری ہی کی

جامہ زیبو بھی نظر بھی دلقِ اکبر پر پڑی
شان ہی کچھ اور تھی اس خرقۂ پارینہ کی

ایک صوتِ سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

مستیِ نشو و نما ہے فصلِ گل کا جوش ہے
مے ہوا میں فیضِ ساقی ہر کلی مے نوش ہے

بزم میں ایمائے چشمِ ساقیِ مے نوش ہے
وہ بہک جائینگے خطرے میں ہے جسکو ہوش ہے

شوقِ وصلِ شعلہ خویاں کیوں نہو برسات میں
ابر کو بھی دیکھتا ہوں برق در آغوش ہے

حال میری بیقراری کا بھی کچھ سن لیجئے
یہ بھی اک آویزہ ہو بجلی جو زیبِ گوش ہے

تا سکے دیدِ حسیناں ؟ تا سکے وارفتگی
آنکھ میں جبتک نظر ہے سر میں جبتک ہوش ہے

آئینے سے بھی وہ بچتے ہیں کہ پڑ جائے نہ عکس
شرم کہتی ہے کہ یہ بھی صاحبِ آغوش ہے

کیوں نہ اپنے بل پہ نازاں ہو وہ زلفِ پرشکن
اسکی خود بینی کو آئینہ صفائے دوش ہے

ہے اگر امید فردا ہی پہ صرف اسکی بنا
کل نہو گا آج اکبر کے جو دل میں جوش ہے

نورِ باطن کی تجلی حرصِ دنیا میں کہاں
دامنِ طولِ امل اس راہ میں حق پوش ہے

جسکے آنکھیں ہیں وہ ہے دیوانہ چشمِ آفریں
عالمِ عرفاں میں جو ذی ہوش ہے بیہوش ہے

جب ضرورت ہوگی تقویٰ کی تو دیکھا جائیگا
اب تو بزمِ مغربی ہے اور نوشا نوش ہے

انکا تیسر پالسی اور شیخ و بابو کا گریز
خوب ہی لطفِ شکارِ روبہ و خرگوش ہے

اتحادِ باہمی اس ملک میں آساں نہیں
کوئی سر سید ہے کوئی بابو آشوتوش ہے

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

حضرتِ منصور انا بھی کہہ سکے ہیں حق کیساتھ
دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا ہوش ہے

مفلسی میں بھی تکلف دوست ہے طبعِ بلند
سرو بستاں بے بضاعت ہے مگر خوش پوش ہے

دشمن تلخی ہیں - افسوس ہیں - یارب یہ ہے - حالت مری
جینا اب تو دشوار ہے - کب آئے گی - ساعت مری

طاقت ہو نہ جب ضبط کی - تو اظہار - غم کیوں نہ ہو
ہر دم اب تو - آتش فگن - سینے میں ہے - حسرت مری

شوخی اُسکی - دیکھو ذرا - مجھ پر ظلم - بے حد کیا
پوچھا میں نے کیوں ہے ستم - بولا یہ ہے - عادت مری

پہلو میں وہ - ہونگے کبھی - خوشیوں کی - گھڑی آئے گی
جاگے ہی گی - اک وقت میں - سوئی گو ہے - قسمت مری

اب بھی جو کہہ رہا ہو کہ پینا نہ چاہیئے
اس دور عہد میں اُسے جینا نہ چاہیئے

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیئے

میں بت کا ہو رہا تو عبث شیخ کو ہے رنج
ایسے معاملات میں کینا نہ چاہیئے

دنیا میں امر حق کو کسطرح صاف کہئے
کرتا ہے دشمنی وہ جسکے خلاف کہئے

یہ سرسری اشارا کافی نہیں ہے حضرت
اپنی زبان سے بھی لفظ معاف کہئے

بے دشمن دیں راحت دنیا ہے تو کیا ہے
قاتل ہو کوئی آنکھ تو جینے کا مزا ہے

ساتھ یاروں کے ہماری راحت دل اُٹھ گئی
ایک دو کا ذکر کیا محفل کی محفل اُٹھ گئی

قتل ہونے کی کسے امید تھی قسمت کی بات
اتفاقاً میری جانب چشم قاتل اُٹھ گئی

زلف میں دل کی گرفتاری بُری
سب مرض اچھے یہ بیماری بُری

ہوش سے عاشق کو بچنا چاہیئے
راہ دل میں یہ گرانباری بُری

آج سنئے آکے اکبر سے کبیر
شیخ جی ہولی میں خودداری بُری

رُکتے ہیں دست و پا آنکھ بھی
ہے جو ہونا کیوں ہیگا سب ہوس سے

ا ۔ بحر طویل مفعولات مستفعلن مفعولات مستفعلن ۔ ۲

کچھ بھی ہمدردی جوانوں سے نہیں
شیخ صاحب اب بہت بوڑھے ہوئے

ناچ ہے مغرب کا بزم وصر میں
نام یوسف سے ہوا یعقوب کا

جھومتے ہیں مشرقی بیٹھے ہوئے
یوں تو حضرت کے بہت بیٹھے ہوئے

اسد کا حال کچھ نہ پوچھو
واللہ ستم ہے یہ تکلف
سکہ ہے کھرا مرے سخن کا

دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے
کھایا کیا تم نے چکھ لیا ہے
سب نے اسکو پرکھ لیا ہے

لن ترانی سے عیاں انوار پنہاں ہو گئے
ایک فقرے میں ہزاروں طور پنہاں ہو گئے

اے صبا اس باغ میں تیرا عمل ہے مشتبہ
ہنس دئے گل ہو کے غنچہ یا پریشاں ہو گئے

اُسنے آنکھوں کے اشارے سے بڑھایا دل مرا
خواب میں دیکھا تھا وہ کافر مسلماں ہو گئے

ناتوانی سے قناعت پر ہوئے مجبور ہم
ضعف کے اسباب عزت کے نگہباں ہو گئے

صبر خودداری دلیری حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہو گئے

ہو گیا آخر شکستِ دل سے کارِ دیں درست
داغ سینے کے چراغ راہ عرفاں ہو گئے

جلوہ ہائے منظرِ ہستی ہیں راحت میں مخل
وہم جب یکجا ہوئے خواب پریشاں ہو گئے

جو کہا اُسنے کیا منظور کیا حرفِ نفی
ہم سراپا اب تو اس محفل میں جی ہاں ہو گئے

ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر بحضور
آپ خوش قسمت تھے بندے سے جو انساں ہو گئے

ناز تھا انکو بہت اپنے بدن کی ساخت پر
اگز یبشن میں مرے اک دوست عریاں ہو گئے

صورتِ لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوان قیس
شاعری آئی نہیں لیکن زباں داں ہو گئے

کھسے جاتے ہیں ہم خود اپنی نظروں سے ستم یہ ہے
بدلجاتے تو کچھ رستے بسے جا سکتے ہیں غم یہ ہے

طریق نو کو کیا سمجھا ہے تو منزل ترقی کی
نگاہِ پیش بیں میں جادۂ راہِ عدم یہ ہے

تحمل نالۂ و فریاد کا اُٹھنے کہاں ممکن
نہ ہوں برہم مری افسردگی پر مغتنم یہ ہے

نہ بے مہری کا شکوہ ہے نہ ہے سوزِ غمِ فرقت
تعارف آپ سے کیوں ہو گیا رنج و الم یہ ہے

کہاں تک رشک اکبرؔ ساقیِ بزمِ حریفاں پر
سنبھالو دل کو تم اپنے تمہارا جامِ جم یہ ہے

ہماری طرح فضل و عطا سب کیسا تھ ہے
بے چادر سا ہیں گیسوئے دنیائے دوں کے پیچ
کمبخت دل کو کیوں ہے لگاوٹ انھیں کیسا تھ

دیکھو جو غور سے تو خدا سب کیسا تھ ہے
سب اسمیں ہیں پھنسے یہ بلا سب کیسا تھ ہے
انکو تو شوقِ ناز و ادا سب کیسا تھ ہے

انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی
سنے جو اسکو اُسے تحیر جو اسکو برتے اُسے تردد
ہماری نیکی اور انکو برکت عمل ہمارا نجات انکی

بھلا دو میرے منھ سے بات اگر کوئی بری نکلی
عدو جمعیتِ ملت کا جو ہو طعن تھی اُسپر
غرب کہتے تھے تم جسکو وہ کمسریٹ کا خچر تھا
مجھے اس درس سے خواہش تھی روحانی ترقی کی

یہ بیدردی ہے کہنا آہ بسمل بے سری نکلی
یہ کیا سمجھا عزیزوں نے مجھی پر کیوں چھری نکلی
جسے شائستگی سمجھے تھے آخر گرگری نکلی
یہاں ہر چیز لیکن مادی و عنصری نکلی

بتوں سے میل خدا پہ نظر یہ خوب کہی
فلٹن نفیس سڑک خوشنما ڈنر ہر شب
تمہاری خاطرِ نازک کا ہے خیال فقط
جناب شیخ کا ہو جاؤں معتقد معقول
حسابِ بادہ و فکرِ مآل کار چہ خوش
سوالِ وصل کروں یا طلب ہو بوسے کی

شب گناہ و نماز سحر یہ خوب کہی
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی
وگرنہ مجھکو رقیبوں کا ڈر یہ خوب کہی
نگاہِ یار رہے بے اثر یہ خوب کہی
جنونِ عشق و خیالِ خطر یہ خوب کہی
وہ کہتے ہیں مری ہر بات پر یہ خوب کہی

حرفِ مطلب کی رسائی کیوں زباں تک ہو سکے
وعدہ اقرارِ مفصل کا تو کرتے ہو مگر

دل کو خودداری سکھا اکبرؔ جہاں تک ہو سکے
دیکھ لینا وقت پر تم سے جو ہاں تک ہو سکے

سن رہا ہوں شوق سے دنیا کے قصوں کو مگر
دیکھئے رہنا جو ختم داستاں تک ہو سکے

نالہ و فریاد جائز ہے مصیبت میں مگر
صبر ہی بہتر ہے انساں کو جہاں تک ہو سکے

افسوس ہے گلشن کو خزاں لوٹ رہی ہے
شاخ گل تر سوکھ کے اب ٹوٹ رہی ہے

اس قوم سے وہ عادتِ دیرینۂ طاعت
بالکل نہیں چھوٹی ہے مگر چھوٹ رہی ہے

وہ راہ شریعت کی جہاں کھلتی تھیں آنکھیں
یہ کفر کے کنکر سے اُسے کوٹ رہی ہے

فکر فردا میں عبث روز اک نئی تمہید ہے
آج تک ہم کیا ہوئے آیندہ کیا اُمید ہے

غافلوں کو جلوۂ ہستی بہارِ عید ہے
چشم بینا ہیں مگر یہ حشر کی تمہید ہے

قدِ موزوں دیکھئے جوڑے کی بندش دیکھئے
کس قیامت کا ہے مصرع اور کیا تعقید ہے

مجھکو اور اُنکے مضامین کمر پر دسترس
ذہن کیسا بس یہ کہئے غیب کی تائید ہے

خوشی ہے سبکو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
کسیکو اسکی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے

فنا اسی رنگ پر ہے قائم فلک وہی چال چل رہا ہے
شکستہ و منتشر ہے وہ کل جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے

یہ دیکھتے ہو جو کاسۂ سر غرور غفلت سے کل تھا مملو
یہی بدن ناز سے پلا تھا جو آج مٹی میں گل رہا ہے

سمجھ ہو جسکی بلیغ سمجھے نظر ہو جسکی وسیع دیکھے
ابھی یہاں خاک بھی اُڑیگی جہاں یہ قلزم ابل رہا ہے

کہاں کا شرقی کہاں کا غربی تمام دکھ سکھ ہے یہ مساوی
یہاں بھی اک بامراد خوش ہے وہاں بھی اک غم سے جل رہا ہے

ہوس پرستوں کو کیوں یہ کد ہے ان انقلابوں کی کیا سند ہے
اگر زمانہ بدل رہا ہے بدلنے ہی کو بدل رہا ہے

عروج قومی زوال قومی خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے
ہمیشہ رد و بدل کے اندر یہ امر پولیٹیکل رہا ہے

جنھوں نے طاعت میں جان دی ہے انھیں کے حصہ میں زندگی ہے
مقدمے بھی ہوں لاکھ شکلیں یہی نتیجہ نکل رہا ہے

خدا سے تم دل ملاؤ اپنا زبانکو پھر ملاؤ دل سے
تو دیکھ لینا کہ پُر اثر ہے زبان سے جو نکل رہا ہے

جھکائیں اکبر سر ارادت ہمیں تو امید کچھ نہیں ہے
اُدھر وہ شمشیر کھینچ ہی لے ادھر یہ خنجر سنبھل رہا ہے

مزا ہے اسپیچ میں ڈنر میں خبر بھی چھپتی ہے پانیر میں
فلک کی گردش کے ساتھ ہی ساتھ کام یاروں کا چل رہا ہے

جب آسمان اہل دغا ہی کا ہو رہے
مومن کو چاہئے کہ خدا ہی کا ہو رہے

مجھکو تو حبّ جاہ ہی ہے وجہِ انتشار
دلمیں تمہارے شوق جو شاہی کا ہو رہے

اکبر مریض ہے تو دعا بھی اُسے سکھاؤ
ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

گردون رفتار مرگی ہر اک سمت تن گئی
بگڑی ہو قوم و ملک کی اُنکی تو بن گئی

لڑکے نئے طریق کی جانب جو کھنچ گئے
بوڑھوں کی آہ جانبِ چرخِ کہن گئی

دم بھر میں جسم و روح کا قصہ تمام تھا
مٹی میں مل گیا وہ یہ اپنے وطن گئی

دنیا میں بھی مستِ اثرِ نغمۂ کن ہے
پردیس میں ہے روح مگر دیس کی دھن ہے

کی میں نے لگاوٹ تو بتِ شوخ یہہ بولا
کیوں کفر ہے بدنام جب انھیں بھی یہ گن ہے

ہنس دیتے ہیں حجت سنکے یہہ اکبر کا لطیفہ
جب آپ کے درشن ہوں تو پھر پاپ بھی پن ہے

جانتی تھیں کہ ہنر شرط ہے قاتل کے لئے
دل لئے آپکی آنکھوں نے مگر دل کے لئے

دل مرا اُنکے لئے ہے وہ مرے دل کے لئے
ماسوا اسکے سب اندیشۂ باطل کے لئے

ہر قدم پر ہے فزوں لذّتِ سرگرمئ سعی
شوق نے خوب مزے دورئ منزل کے لئے

ہے یہ وہ عہد کہ کی بزم کی تزئین لیکن
آدمی مل نہ سکے رونقِ محفل کے لئے

دیدِ دنیا ہے رہِ عشق میں سالک کو مضر
خوب ہے قطعِ نظر قطعِ منازل کے لئے

مغربی کورس میں ہوتی ہے جوانی رخصت
اب تو پیری ہی ہے رندانہ مشاغل کے لئے

کیا ضرورت رہِ الفت میں سخن سازی کی
صدق کافی ہے بس اکبر اثرِ دل کے لئے

نہ پالسی وہ رہی اور نہ انجناب رہے
نئے طریق فقط جان پر عذاب رہے

اس انجمن میں اشارا ہے چشمِ ساقی کا
وہی مزے میں رہے جو یہاں خراب رہے

خزاں میں ہوش جب آئیگا خیر رو لینگے
بہار تک تو ہمیں نشۂ شراب رہے

امیدیں ہوتی تھیں پیدا تری لگاوٹ سے — نہ اب وہ لہر رہی اور نہ وہ حباب رہے
کہاں نکا نام مجھے ہے نشاں سے بھی گریز — مبارک آپ ہی کو خواہشِ خطاب رہے
اس اک گناہ کو منظور کیجیے تو مجھے — تمام اور گناہوں سے اجتناب رہے

مرے عشق کے سوز میں ہو نہ کمی اجل آئے تو ایسی جفا نہ کرے
مری جان کو جسم سے کردے الگ۔ مرے درد کو دل سے جدا نہ کرے
بتِ شوخ کی دیکھ رہا ہوں نظر۔ مرے عشق کا کچھ بھی نہیں ہے اثر
جو میں کہتا ہوں کاش ہو تجھ میں وفا۔ تو وہ کہتا ہے ہنسکے خدا نہ کرے
مجھے عشق و وفا کی سند نہ ملے جو میں ضبط سے صبر سے کام نہ لوں
وہاں حسن کے ناز میں آئے کمی۔ جو وہ حقِ ستم کو ادا نہ کرے

عدو و فلک بھی رہا گردشِ زمیں بھی رہی — مگر وہ در بھی رہا اور مری جبیں بھی رہی
نظر میں آیۂ ایاک نستعین بھی رہی — صنم کے پاؤں پہ لیکن مری جبیں بھی رہی
تری اداؤں سے بڑھنے نہ پائی حرارتِ دل — ہنسی جو لب پہ رہی تو جبیں پہ چیں بھی رہی
ہزاروں ظلم ہوئے بیکسوں پہ یاں لیکن — وہی فلک بھی رہا اور وہی زمیں بھی رہی
خلوص اُنمیں نہ تھا اس سبب سے دل نہ ملا — گپیں تو خوب اُڑیں اور چناں چنیں بھی رہی
کچھ انتظار میں موقع کے طولِ ہجر ہوا — کچھ ابتدائے محبت میں ہاں نہیں بھی رہی
میں کیا ہوں خوش اگر اُنکو رہی نہ الفتِ غیر — ملیں گے اُس سے محبت اگر نہیں بھی رہی

اُسی کو ہم تو سمجھتے ہیں مستند اکبر
جسے مشاغلِ دنیا میں فکرِ دیں بھی رہی

ہو رہا اُسکا کہ جو بے مہر کافر کیش ہے — دل ہمارا کس قدر ناعاقبت اندیش ہے

ترے سحرِ نظر سے ہوا یہ جنوں مرے دل کی تو اسمیں خطا ہی نہ تھی
ترے کوچے میں آکے میں بیٹھ رہا بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

ہوئی طبع جو مائلِ دامِ بلا - میں تمھاری ہی زلفِ سیہ میں پھنسا
مرے دامنِ دل کو جو کھینچ سکے - کوئی اور تو ایسی بلا ہی نہ تھی

کیا صحبتِ غیر نے قہر و غضب - مجھے کوئی امید رہی نہیں اب
دمِ چند کو مجھ سے ملے بھی جو کل - وہ نظر ہی نہ تھی وہ ادا ہی نہ تھی

نہ نبھی تو پھر اسمیں تھی کسکی خطا - یہ گلا ہے مری ہی طرف سے بجا
مرے عشق کا رنگ تو خوب رہا - مگر آپ میں بوئے وفا ہی نہ تھی

میں وطن سے حزین و ملول پھرا - نہ وہ بزم ملی نہ وہ یار ملے
گل و لالہ و سرو کا ذکر کیا - وہ چمن ہی نہ تھا وہ ہوا ہی نہ تھی

غمِ ہجر میں جی سے گیا جو گزر - تو یہ اکبرِ زار نے خوب کیا
کہ علاجِ فراق تو تھا ہی یہی - بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

اللہ رے کامیابی اُس چشمِ پرفسوں کی
تنویر چاہتا ہے گر آتشِ دروں کی
نشتر لگائے جا تو اے رنجِ نا امیدی
اُسوقت کوئی دیکھے تاثیر سازِ مغرب
آفاق پر ہیں طاری آثار شامِ غم کے

عقلیں ہزار ابھریں تابع رہیں جنوں کی
ہو اُسکا محو جسنے مٹی میں روح پھونکی
دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوشِ خونکی
جب ناچ ہوسوں کا اور گت ہوا غونکی
اللہ دل کو قوت دے صبر کی سکونکی

فطرت نے باغِ ہستی پیشِ نظر کیا ہے
دیکھو بہار اکبر اُس روئے لالہ گوں کی

کیا پا گئے جو حرص کے کوچے میں سگ رہے
اپنی جگہ سے تم نہ ہٹو گو ہوں گردشیں

وہ کیا برے رہے کہ جو اس سے الگ رہے
ایسے رہو کہ جیسے انگوٹھی میں نگ رہے

اکبر انھیں کو لذتِ یادِ خدا ملی
سمجھے جو کافری کو اور اُس سے الگ رہے

دن رات کی یہ بیچینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
اٹھارہ برس ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

دنیا کیلئے ہنگامے تھے خلق ایکطرف آپ یکطرف
اب شہر خموشاں عالم ہے تو مٹی ہے لحد کا کونا ہے

کیوں سست ہوئی ہے ہمت دل کیوں رک رہے ہو یارو ہمی
کوشش تو ہم اپنی سی کر لیں ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

ترکیب وہ تکلف لاکھ کرو فطرت نہیں چھپتی اے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا ہے وہ سونا ہے

نظر لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

جوشش سودا کو طبع لاابالی چاہئے
منظر مجنوں کو تصویر خیالی چاہئے

اُنکے مضمون کمر کا باندھنا آساں نہیں
مدتوں مشاق نازک خیالی چاہئے

ہر در مے خانہ اکبر کے لئے دلکش نہیں
بادہ صافی چاہئے اور ظرف عالی چاہئے

نظر کن سوی او تا نور چشم قدسیاں باشی
بنہ سر بر زمین کوی او تا آسماں باشی

شریک بیکسی بودن ترا با ہمدماں اکبر
ازاں بہتر کہ در بزم حریفاں شادماں باشی

ز فیض راستی چوں سرو گشتی اندریں گلشن
بزن گامے براہ سعی تا سرو رواں باشی

چل رہی ہے جسطرح دنیا کو چلنے دیجئے
مل رہی ہے ہاتھ اگر منطق تو ملنے دیجئے

قوم اب کہاں ہر اک کی خوشی غم کے ساتھ ہے
سچ تو یہ ہے کہ ہیں کا مزا ہم کے ساتھ ہے

دل کو آماجگہ تیر قضا کرتی ہے
حسن کا حق وہ نظر خوب ادا کرتی ہے

تمہاری چشم فتاں سبکے دلسے ساز کرتی ہے
ہماری آرزو کو کیوں نظر انداز کرتی ہے

بہار آئی ہے گویا اب نجاہگی گلستاں سے
کھلی پڑتی ہیں کلیاں بھی ہو بھی ناز کرتی ہے

اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا
اگر سمجھو تو ہر پتی بیان راز کرتی ہے

شیخ ناقوس کے سر میں جو خود ہی تان لی
پھر تو یاروں نے بھجن گانیکی کھلکر ٹھان لی

مدتوں قائم رہینگی اب دلوں میں گرمیاں
میں نے فوٹو لے لیا اُسنے نظر پہچان لی

روتے ہیں دوست میری لاش پہ بے اختیار
یہ نہیں دریافت کرتے کسنے اس کی جان لی

میں تو انجن کی گلے بازی کا قائل ہوگیا
رہ گئے نغمے خدی خوانونکے ایسی تان لی

حضرتِ اکبر کے استقلال کا ہوں معترف
تا بمرگ اُس پر رہے قایم جو دل میں ٹھان لی

اب خاک پہ ہیں کل تخت پہ تھے اک زیست کی حالت وہ بھی تھی
اللہ کی قدرت یہ بھی ہے اللہ کی قدرت وہ بھی تھی

پریاں بھی لگاوٹ کرتی تھیں اب دیو بھی مجھسے کھنچتے ہیں
فطرت ہی کی صورت یہ بھی ہے فطرت ہی کی صورت وہ بھی تھی

انسان فقط عجز و دعا ہی کے لئے ہے
جو عزت و عظمت ہے خدا ہی کیلئے ہے

حیرت میں ختم ہو گئی انشائے زندگی
حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی

اس زندگی نے خود ہی کیا ہے تجھے اسیر
تجھکو یہ کیوں ہے شوق تمنائے زندگی

جانتے ہیں کہ سدا خونِ جگر پینا ہے
پھر خوشی کیا کہ ابھی ہمکو بہت جینا ہے

تجھے اپنے ہے سرِ دوستی تری آرزو بھی عجیب ہے
وہ ہیں تخت پر تو ہے خاک پر وہ امیر ہیں تو غریب ہے

پئے حفظ جاں ہیں جو کوششیں وہ اجل کیساتھ ہیں سازشیں
اور اُسی روش پہ ہیں خواہشیں یہ معاملہ بھی عجیب ہے

ترا جلوہ زیب خیال ہے وہی وجد ہے وہی حال ہے
تری انجمن سے ہوں دور اگر مرا دل تو تجھسے قریب ہے

اُسے انجموں کا خیال کیا جو ہو محو تارو ہی جمال کا
وہ نظر زمیں پہ ہو کیوں جھکے کہ جو آسماں سے قریب ہے

جو خدا کا حکم ہے خوب ہے مجھے توبہ گر نہیں عذر کیا
مگر ایک بات ہے وہ عنا کہ بہار اب تو قریب ہے

پیش آجائے جو سجدہ تو نمازی بھی سہی
ثبت جو موقع پہ ملیں دستِ درازی بھی سہی

گالیاں اُنسے جو دیں وصل کا طالب ہی ہوا
کہہ دیا صاف کہ ترکی ہے تو تازی بھی سہی

تارک الضعف میں دو چار نے پایا ہے عروج
خیر اتنے شہدا تھے تو یہ غازی بھی سہی

اُسنے یہ کہکے تغیر میں غزل گا لی مری
تیری خاطر سے اک آہنگ حجازی بھی سہی

ایک دن چشمِ کرم بھی ہو ادھر اے قاتل
ظلم کے ساتھ کبھی بندہ نوازی بھی سہی

آرزو دنیا میں کب نکلی اولوالابصار کی
چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی

سوزِ جاں ہوتی ہے جنبش ابروے خمدار کی
آگ کر دیتی ہے دلکو آب اس تلوار کی

ہے گرانی قلب پر اوہام کے انبار کی
حاجت اس خرمن کو ہے برقِ نگاہِ یار کی

دھوم ہے زیرِ فلک حسن و جمالِ یار کی
ذرے ذرے سے عیاں ہے آرزو دیدار کی

دستِ گلچیں چھپ رہا ہے شاخِ گل پر بیدریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیبِ زار کی

اُلفت اُٹھی نرگسِ فتاں کی ہے۔ آرام سوز
نیند اُڑا دیتی ہے یاد اُس فتنۂ بیدار کی

دستِ گلچیں کے لئے فطرت میں ہیں کانٹے نہیں
چشمِ بلبل کے لئے زحمت نہیں ہے خار کی

وہ ادا اسوقت تمنے کی کہ دل تڑپا دیا
اب نہ کہنا بے محل کیا تھی ضرورت پیار کی

خوش ہے دنیا جانتی ہے یہ بھی یونہیں ہونگے خوش
خلق عالم کو خبر کیا میرے حالِ زار کی

سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی

نخیر بے ترکیب کیا جانے بھلا آدابِ عشق
کیجئے گا آپ اک دن قدر میرے پیار کی

ہے زلیخا کا سا گاہک حضرت یوسف سا مال
دیدنی ہے آج رونق مصر کے بازار کی

شعرِ تر اکبر کے سُن اے سامعِ عالی دماغ
قدر کر اے آسماں اس ابرِ گوہر بار کی

کیا ہے مذہب۔ ایک ملکی اور سوشل انتظام
یہ نہیں پہچان ہرگز کافر و دیندار کی

صورت و الفاظ کا اکثر نہیں ہے اعتبار
ہیں فقط یہ عادتیں رفتار کی گفتار کی

ہیں ہر اک مذہب میں کچھ کافر بھی کچھ دیندار بھی
یاد رکھ تو بات یہ اک محرمِ اسرار کی

مفتون ہو گئے ہم اس بے بقا چمن کے
آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی لئے پھول بنکے

ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں
اُٹھے جو ہیں بگولے برباد ہو سکے تن کے

گونجی بہت ہے اسمیں فریاد بیکسوں کی
ٹکڑے اُڑینگے اک دن اس گنبدِ کہن کے

غربت میں عمر گذری نام و نشاں نہ پوچھو — نقشے بھی ذہن میں اب باقی نہیں وطن کے
زخموں سے چور ہیں ہم اسکا خیال کسکو — چرچے ہیں ہر طرف بس تیرے ہی بانکپن کے
تھی نیک سعی تیری اے بادِ صبح گاہی — تجھکو کیا معطر کلیوں نے پھول بن کے
مغرب کا وعظ ادھر بھی اے پیرِ ملتِ نو — اس شہر میں بھی مردے محتاج ہیں کفن کے

آہ جو دل سے نکالی جائے گی — کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی
یاد اُن کی ہے بہت غفلت پسند — آہ بھی دل سے نکالی جائیگی
تیغ کہتی ہے کہ روٹھی تجھسے جان — حشر کہتا ہے منالی جائیگی
اس نزاکت پر یہ شمشیرِ جفا — آپ سے کیونکر سنبھالی جائیگی
بے تکلف چاہیئے سوز و گداز — شمع کیوں سانچے میں ڈھالی جائیگی
کیا غمِ دنیا کا ڈر مجھ رند کو — اور اک بوتل چڑھالی جائیگی
زندگی کی کل ہے پیچیدہ تو خیر — سانس لے لیکر چلا لی جائیگی
شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا — احتیاطاً کچھ منگالی جائیگی

یاد ابرو میں ہے اکبر محو کیوں
کب تری یہ کج خیالی جائیگی

پاس خاطر تھا اگر تو رنج کیوں ہمکو دئے — اب عبث ہے اسکی پرسش ابھر آیا رو دئے
بوسۂ رخ کی طلب تیرِ مژہ سے رک گئی — اسنے شوخی سے رہِ گلچیں میں کانٹے بو دئے

مری رسائی ہے دیر میں بھی حرم میں بھی میری منزلت ہے — بتوں سے بوسے کی ہے توقع خدا سے امید مغفرت ہے
جھکا ہے سر اپنا پائے بت پر زبان پہ ہے گلا جفا کا — مرے عمل میں ہے طرزِ سید غزل میں انداز لاجہت ہے

وصل نے کب سے مجھے سلایا ہے — ہجر ہی نے ندا ئلا یا ہے
میں نے کب کی نگاہ گل کیطرف — تم نے کیوں مجھسے منہ پھلایا ہے
کیا خوشی ہو جو کوئی آکے کہے — کہ انھوں نے تمھیں بلایا ہے

نہ وہ بتکدے کہیں رہ گئے نہ وہ دلبری کو صنم رہے
نہ وہ دن رہے نہ وہ ہم رہے نہ وہ دل رہا نہ وہ غم رہے

اب انھیں کے کوچہ کی دھوم ہے نہیں کرتا ذکر ارم کوئی
انھیں ضد بھی تھی اسی بات کی کہ نہ ذکرِ باغِ ارم رہے

مری رندیوں کا ہے خاتمہ ۔ نہ وہ مستیاں نہ وہ ولولے
نہ مئے کہن کا رہا نشاں ۔ نہ طریق محفل جم رہے

مجھے کیا امید فروغ کی کم ہمتوں کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے نہ زباں رہے نہ خدا رہے نہ حرم رہے

کہاں مروّت باہمی ہے محبتوں میں بہت کمی ہے
مری وفا میں ہے کیا تنزل مری اطاعت میں کیا کمی ہے
وہی ہے فضل خدا سے اب تک ترقیِ کار حسن و الفت
عجیب جلوے ہیں ہوش دشمن کہ وہم کے بھی قدم رکے ہیں
نہ کوئی تکریم باہمی ہے نہ پیار باقی ہے اب دلوں میں
کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو بھلائی ہیں سب نے اگلی ریتیں
نظر مری اور ہی طرف ہے ہزار رنگ زمانہ بدلے
اگرچہ میں رند محترم ہوں مگر اسے شیخ سے نہ پوچھو

چلی ہے کیسی ہوا الٰہی کہ ہر طبیعت میں برہمی ہے
یہ کیوں نگاہیں پھری ہیں مجھ سے مزاج میں کیوں یہ برہمی ہے
نہ وہ ہیں مشق ستم میں قاصر نہ خون کی یہاں کمی ہے
عجیب منظر ہیں حیرت افزا نظر جہاں تھی وہیں تھمی ہے
یہ صرف تحریر میں ہے زیر سر ہے یا جناب مکرمی ہے
عقیدے سب کے ہیں تیرہ تیرہ نہ گیا ہو سچ نہ راستی ہے
ہزار باتیں بنائے ناصح جمی ہے دل میں جو کچھ جمی ہے
کرم انکے اگے تو اس زمانے میں ساری دنیا جہنمی ہے

جلوۂ دھر اپنا تماشا کرے
تجربہ اور جانچ ضروری سمجھ
اردو یہ یہ خدمت ہرگز ہے بار

فلسفہ الفاظ تراشا کرے
لاکھ کوئی کلام و حاشا کرے
خیر اب اس کام کو بھاشا کرے

ہوس میری بصد حسرت بتوں کے منہ کو تکتی ہے
نہیں معلوم اب کیوں کافری مجھ سے کھٹکتی ہے

خموشی سے طریقِ راست پر قائم رہو اے اکبر
نہ با گفت و شنودِ دھر پر خلقت سے کہتی ہے

نہیں سائنس واقفِ کارِ دیں سے
مشینوں نے کیا نیکوں کو رخصت
بساطِ حلقۂ میونسپل دیکھ

خدا باہر ہے حدِّ دوربیں سے
کبوتر اُڑ گئے انجن کی پیں سے
تجھے کیا کام ہے جاپان و چیں سے

مہوشوں کی مہربانی ہو چکی
عاقبت کا اب خیال آنے لگا
قوم کی مسجد میں کیجے جھاڑ پھونک
آج تم کرتے ہو ذکرِ انحطاط

چار دن کی چاندنی تھی ہو چکی
شورشِ عہدِ جوانی ہو چکی
اسپتالوں میں وہ اچھی ہو چکی
مدتیں گذریں کہ دہلی ہو چکی

بھر عمل کوئی راہ اب اسے حسد نہیں ہے
تعلیم و تربیت کا ہے اختلاف ہر جا
ہر سر میں ہے یہ سودا دائم چہ ائمہ
اونچے بہک رہے ہیں نیچے دبک رہے ہیں
جسکو بقا نہیں ہے وہ دلکشا نہیں ہے
اے وہ کہ بیکسوں کو آتی ہے یاد تیری

میں کچھ سند نہیں ہوں ہم کا پتا نہیں ہے
جو کورس ایک کا ہے وہ اور کا نہیں ہے
وہ کون ہے جو واعظ بنکر اٹھا نہیں ہے
ہے پیٹ ہی کا سودا دل کا پتا نہیں ہے
جسکو فنا نہیں ہے اس کا پتا نہیں ہے
میرا بھی کچھ سہارا تیرے سوا نہیں ہے

نہیں ہے علم انکیں جہل کی ہستی کا جھگڑا ہے
فقط اک ہستیِ اعلےٰ کا پرتو دلمیں پڑتا ہے

یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے
جو کچھ اسکے سوا ہے وہم کی ہستی کا جھگڑا ہے

مسرت ہوئی ہنسلئے دو گھڑی
اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست

مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
سلایا شبِ گور نے سو رہے

رشی یا شناسے ٹھہر پائیں کیوں خیر الامم ہیلے
جماعت اور صف بندی کا ایما بعد کو ہوگا

نہیں ولمیں کریں انصاف ہم پہلے کہ ہم پہلے
غوزیوں سے کہو مسجد میں تو رکھیں قدم پہلے

مقلد لیڈرِ مرحوم کے اتنا نہیں سمجھے
کوئی صاحب نہوں - للّٰلہ نا خوش سُنکے یہ مصرع
نہ جوئی ہے زمیں تمنے نہ تمنے بیج بوئے ہیں

غریبی اور محنت پہلے یا جاہ و حشم پہلے
خیالِ حبِ قومی پیچھے اور فکرِ شکم پہلے
یہ کیا معنے کہ ہووے بارشِ ابرِ کرم پہلے

نہیں ملنے کا لطف اس قوم بے تقویٰ سے بجز سے
سنورنے کے سوا یہ بے بصیرت کرتے ہی کیا ہیں
محبت کا تو عنصر ہی نہیں انکی طبیعت میں

مگر یہ بھی تو مشکل ہے کہ پھر آخر ملیں کس سے
چمن کی کیا حفاظت ہو رہی ہے چشم نرگس سے
لگاوٹ ہے فقط وہ بھی کبھی اس سے کبھی اس سے

خیال دوڑا - نگاہ اُٹھی - قلم نے لکھا زبان بولی
لطافتوں نکتہ آرا کتوں کے عجیب مضموں ہیں چمن میں
خیال شاعر کا ہے نرالا یہ کہہ گیا ایک کہنے والا
کہو یہ رندانِ ایشیا سے کہ بزم عشرت کے ٹھاٹھ بدلیں

مگر وہی لگی اُلجھنیں ہیں کسی نے انکی گرہ نہ کھولی
صبا نے جھٹکا ہے اپنا دامن مسک گئی ہے کلی کی چولی
شباب کیسا تھیوں ہے زندگی کہ جیسے بھاگن کیساتھ ہولی
اُڑن کھٹولا ہے اب سو نکا گئی یہ پچھان کی وہ ڈولی

خوشی کیا ہو جو میری بات وہ بت مان جاتا ہے
بنوں کونسل میں اسپیکر تو رخصت قربتِ مصری
زوالِ جاہ و دولت میں بس اتنی بات اچھی ہے
نئی تہذیب میں دقت زیادہ تو نہیں ہوتی
تعیشرات کو اور دنکو یاروں کی یہ جیپیں
جہاں دنیا میں یہ آئی کچھ کہ دن وہ پہلا پا اُٹھکر
چناں بر دند صبر از دل کے قصے یاد آتے ہیں

مزا تو بے حد آتا ہے مگر ایمان جاتا ہے
کروں کیا ممبری جاتی ہے یا قرآن جاتا ہے
کہ دنیا کو بخوبی آدمی پہچان جاتا ہے
مذاہب رہتے ہیں قائم فقط ایمان جاتا ہے
دہائی لاٹ صاحب کی مرا ایمان جاتا ہے
غضب ہے فتنہ ہے ظالم نظر پہچان جاتا ہے
تڑپ جاتا ہوں یہ سنکر کہ اب ایران جاتا ہے

معترض مسلم سے خوش اب ہے گو وہ فاسق ہے
یہ دعویٰ ہے غلط تو ڈارون صاحب خطا بخشیں

شریک آ سکتے ہیں فاتح اور فیشن کے مطابق ہے
خدا انسان کا خالق خدا بندوں کا خالق ہے

نہیں ہے خضر کی حاجت جو شوقِ دل محرک ہے
قلم کھینچے کہانتک صورتیں دنیا کی حالت کی

کوئی حامی نہیں میرا تو تیرا اللہ مالک ہے
تصور ہی میں طاقت ہے یہی عمدہ گر آگاہ ہے

مجھے اک بوسہ دیتے ہیں بھی وہ مِس بخل کرتی ہے
نصیب اچھے نہیں میرے لئے حاتم بھی ممسک ہے

یہاں حدِ سماعت کو نہیں کچھ دخل اے صاحب
یہ مانا آپ قابض ہیں مگر اللہ مالک ہے

خدا ہی کو فقط حاصل ہے حقِ دلبری اکبر
دیا دل جسنے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے

جو گذروگے اُدھر سے میرا اُجڑا گاؤں دیکھوگے
شکستہ ایک مسجد ہے بغل میں گورا بارک ہے

خیالِ آخرت کا حس نہیں جسکی طبیعت میں
اُسے کیوں منطقی دنیا میں کہتے ہیں یہ مُدرک ہے

فطرتی سلسلے میں لطف بھی ہے قہر بھی ہے
خوان الوان پہ یہاں شہد بھی ہے زہر بھی ہے

اسی میداں میں ہوا تشنہ لبی سے میں ہلاک
اسی میدان کے آغوش میں اک نہر بھی ہے

کیمپ ہی میں نظر آتی ہے اُنھیں قوتِ قوم
ورنہ بسنے کو تو دیہات بھی ہے شہر بھی ہے

رنج تو سہا تھا دل ایسا سینے میں کھٹک و نزات نہ تھی
پہلے بھی ہوئے تھے کچھ صدمے روئے تھے مگر یہ بات نہ تھی

اب نشو و نما کا وقت نہیں اب عمر نہیں امیدوں کی
دنیا سے لگاوٹ کیا میں کروں فرصت ہی نہیں تمہیدوں کی

تفریح و سفر کا شوق نہیں دہلی ہے نہ اب کلکتہ ہے
عشرت کیلئے کافی ہے دعا ہاشم کا خیال الہ ہے

آپ سے بیحد محبت ہے مجھے
آپ کیوں چُپ ہیں یہ حیرت ہے مجھے

شاعری میرے لئے آساں نہیں
جھوٹ سے واللہ نفرت ہے مجھے

زور رندی ہے نصیبِ دیگراں
شاعری کی صرف قوت ہے مجھے

نغمۂ یورپ سے میں واقف نہیں
دیس ہی کی یاد ہے بس گت مجھے

دیدیا میں نے بلا شرط اُن کو دل
مل رہیگی کچھ نہ کچھ قیمت مجھے

برہمن سے میں نے کرلی دوستی
بت بھی اب کہنے لگے حضرت مجھے

قبل از غرور و ناز حکومت کی فکر کر
فرعونیت کے واسطے ساماں چاہیئے

میں نے جو دل کو پیش کیا اُسکے سامنے
کہنے لگا وہ شوخ مجھے جان چاہیئے

پنڈت کو بھی سلام ہے اور مولوی کو بھی
مذہب نہ چاہیئے مجھے ایمان چاہیئے

نہیں دشوار کچھ صحبت پر اسکی شرط یہ نا ہے
جو دنیا دار ہے وہ قاعدے کی رو سے ادنیٰ ہے

سند مجھکو ملی تو جل گئے واعظ۔ لگے کہنے
خر جی کی ہوگئی تکمیل باقی صرف لدنا ہے

کسی محفل میں تم اکبر اگر چمکے تو کیا چمکے
سند جب ہے کہ ابھرے ذکر حق نام خدا چمکے
یہ جگنو بھی نئی ہی روشنی سے ملتے جلتے ہیں
اندھیرا ہی رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے

رنگ شراب سے مری نیت بدل گئی
واعظ کی بات رہ گئی ساقی کی چل گئی
ہنستے تھے نماز پہ ہم سنکے ذکر حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی
مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی
چمکا ترا جمال جو محفل میں وقت شام
پروانہ بیقرار ہوا شمع جل گئی
عقبیٰ کی بازپرس کا جاتا رہا خیال
دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی
حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انھیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بے وفا سمجھیں تمھیں اہل حرم اس سے بچو
دیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی
چشم غفلت کی ہے دنیاوی نتائج پر نظر
دیدۂ تحقیق میں دینی خوش انجامی بھلی
پختہ ہو کر اپنی شاخ دین سے ہوتا ہے جدا
اے ثمر چشم محبت میں تری خامی بھلی

میدان عمل لیک کا محدود ہے بیشک
ہاں رتبۂ مجلس کی کوئی ناپ نہیں ہے
ہے کام یہی کام آجو پڑھے دھرم کا نامہ
جز موت کہیں اسمیں فل اسٹاپ نہیں ہے

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے
خدا ہی خوب واقف ہے کہ کس پر کیا گذرتی ہے
نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گل کھلانیکو
یہی ذرے ابھرتے ہیں یہی مٹی سنورتی ہے
وہ دو ذرے بلا اذن خدا مل ہی نہیں سکتے
کہ جنکے میل سے سائینس کی قوت ابھرتی ہے
جو ہیں اہل بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے
زبانیں مختلف بھی ہوں اگر دو حق پرستوں کی
بہم نبھ جاتی ہے نیت کی خوبی کام کرتی ہے

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبہ و شلوار پر
ایک دن انکو فلک بندھوائے دھوتی تو سہی

اپنی اسکولی بہو پر ناز ہے اُن کو بہت
کمپ میں ناچے کسی دن اُنکی پوتی تو سہی

اپنی دھن میں آبرو کی کچھ نہیں پروا انھیں
نذرِ مجنونِ ترقی ہو یہ ہوتی تو سہی

فساد اُٹھتا ہے فتنہ آپکی محفل سے اُٹھتا ہے
عدو پہلو میں ہو لیکن تو وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہمارے شعلۂ غم کا یقیں تمکو نہیں آتا
تمھیں کیونکر دکھائیں دلمیں بجھتا دلسے اُٹھتا ہے

اُٹھانا بارِ الزامِ ستم کا شاق ہے سب پر
یہ آسانی مگر یہ بار اُس قاتل سے اُٹھتا ہے

سخن وہ دلنشیں ہے جوشِ خاطر سے جو پیدا ہو
کہ وہ سینے میں بیٹھ جاتا ہے جو دلسے اُٹھتا ہے

الٰہی فرقتِ محبوب میں کیونکر بسر ہوگی
نہ دل اُٹھتا ہے الفت سے نہ صدمہ دلسے اُٹھتا ہے

سوا میرے کہ بیٹھا ہوں تو اُٹھ جانیکا ایما ہے
بٹھایا جاتا ہے پھر جو تری محفل سے اُٹھتا ہے

نزاکت پر ستم ہے اُنکا چہرا اسقدر بھاری
دوپٹہ ہے مصیبت پائچہ مشکل سے اُٹھتا ہے

بتِ زہرہ جبیں نے بھیرویں چھیڑی ہے اے اکبر
نمازِ صبح کو اس وقت تو محفل سے اُٹھتا ہے

عجب فتنہ خرامِ نازکِ قاتل سے اُٹھتا ہے
سنبھلتا ہی نہیں دامن قدم مشکل سے اُٹھتا ہے

تحمل تا کجا ٹوٹا ہے اک لشکر مصیبت کا
مدد یارب قدم اب صبر کی منزل سے اُٹھتا ہے

ہوئی مدت کہ دنیا سے مرا دل اُٹھ گیا لیکن
ہنوز اک شعلہ یادِ رفتگاں میں دلسے اُٹھتا ہے

اُٹھاتے یوں تو سب ہیں بارِ دنیا طوعاً و کرہاً
خوشی کے ساتھ لیکن یہ فقط عاقل سے کم اُٹھتا ہے

نہ پائیگا کبھی اصلی مسرت طالبِ دنیا
پر اُسکا ہاتھ کب اس سعیٔ لاحاصل سے اُٹھتا ہے

ترقی کی اُدھر گھوڑ دوڑ ادھر یہ ہیں نہ طاقت
وہ آسانی سے کیا دوڑیگا جو مشکل سے اُٹھتا ہے

سراپا اس نگاہِ شرمگیں ہے وہ پری پیکر
کجا آنکھیں اُٹھانا آپ وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہجومِ آرزو اس دودِ آہِ دلسے ہے ثابت
ورودِ کارواں ہو تب دھواں منزل سے کم اُٹھتا ہے

فغاں ہی کی صدا گرداب کی جانب سے اے اکبر
خوشی کا غلغلہ کمتر لبِ ساحل سے اُٹھتا ہے

اثر ہے شوق کا صحرا لئے مجنوں میں ہے لیلیٰ
بگولے پر بگولا سایۂ محمل سے اُٹھتا ہے

کچھ ایسی دلفریبی ہوتی ہے اشعارِ اکبرؔ میں
کہ شورِ مرحبا ہر گوشۂ محفل سے اٹھتا ہے

ظرافت

پڑھ کے انگریزی میں دانا ہوگیا — کم کا مطلب ہی کمانا ہوگیا

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا — شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ — کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے — تیغ ابرو کا تھا عاشق۔ خاں بہادر کر دیا

لیلیٰ نے سایہ پہنا مجنوں نے کوٹ پہنا — ٹوکا جو میں نے بولے بس بس خموش رہنا
حسن و جنوں بہ ستور اپنی جگہ ہیں لیکن — ہے لطف بحرِ ہستی فیشن کے ساتھ بہنا

کہتے ہیں شاعری یہ تری بے اصول ہے — لکھتا ہوں صاف میں تو نہیں تجھکو مانتا
میں نے کہا کہ آپ کی کرتا جو پیروی — تو آپ کے سوا کوئی مجھکو نہ جانتا

بی۔اے کی کمال کامیابی ہے یہی — سروس کے لگاؤ سے معزز بنتا

بہتر ہے یہی سلے دل کہہ لیت نہ تو تولا — دنیا کے حوادث پر واللہ سکوت اولیٰ

شایق تحقیق کے یہ مضمون سن لیں — انسان کی شکل جیسے میمون بنا
پاجامہ بھی یونہیں ارتقا سے بدلا — سمٹا ابھرا غرض کہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا — اب خدا ہی ہے بھائی صلّو کا

بوزنے کو ارتقا نے کردیا انساں تو کیا — انقلابِ چرخ نے مولی کو ولیم کر دیا

ناواقفِ وزنِ شعر مجھکو جو کہے — اُسکے آگے ضرور ہے چپ رہنا
بلبل کو بھی بے سرا وہ کہہ دے گا کبھی — ایسے سنجیدہ شخص کا کیا کہنا

مغرب کی نعمتوں نے اسٹیج کو سنوارا — بجنے لگا پیانو چپ ہو گیا چکارا

بیتاب ہو کے آخر یہ شیخ نے پکارا
دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

گم ہیں مری نظر سے وہ ساحلِ دل آویز
ناکامیوں کی موجیں بہنے لگیں بہت تیز
اسٹیمر اپنا ہمکو دیتے نہیں یہ انگریز
کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز

باشد کہ باز بینم آں یارِ آشنا را

مشرق کے حق میں مہلک مغرب سے ہے یہ پیوند
بدنامیوں نے بیچ تو لے مصلحِ ہنرمند
مصلح یہ بولا اکبر کی سعی ہیں نے ہر چند
در کوے نیکنامی مارا گذر نہ دادند

گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا

خوش چشم آہوؤں کی صحرا میں یہ اچھل کود
موسم بھی روح پرور ساقی بھی حسبِ مقصود
فطرت کا حکم نافذ تقوی کی فکر بے سود
حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود

اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

فیضانِ معانی ہر طبع سے کے تواند
لذت بیابد آں دل کو راز ہا بداند
موسیقے بسینہ خیزد در شوقِ غرق ماند
گر مطربِ حریفاں ایں نظمِ من بخواند

در وجد و حالت آرد پیران و پارسارا

یہ صندوقِ کتب بھاری ہے یارا ٹھ نہیں سکتا
یہ ہے مذہب۔ تو مجھ سے بارِ مذہب اٹھ نہیں سکتا
ہوا پیدا جگہہ اللہ نے غربی مشینوں کو
زمیں سے غمزۂ انجینیری اب اٹھ نہیں سکتا

مشرق پہ ہے گو کہ ضعفِ پیری غالب
ہر چند کہ ہے غمِ اسیری غالب

مستی اکبر کی رقص مس سے نہ رُکی
بھو غرہے یہ نہ ہو سکی بھنبھیری غالب

اکثر اسی ہوس میں بنے ہیں کلوخ کپ
اسکے خوشا نصیب جسے ہو رسوخ کپ
اب شیخ شہر لگے ہیں مردوں کے واسطے
زندوں نکو نے مرینگے ہمارے شیوخ کپ

شیعۂ من بے محیط و سنیم بے مرکز ست
بے روم سوے کلیسا طالبم دشت از دست

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ
یہ بھی کہینگے پھیلی خدائی بزور موت

پہلے ہملوگ یہہ سمجھتے تھے
ہر چہ از باپ میرسد نیکوست ۴

ہوگئی اب خیال کی اصلاح
ہر چہ از آپ میرسد نیکوست ۲

بہ دین نیچری بستیم امید
ترقی را چو آمادہ برآمد

ولے از تجربہ ثابت شدہ ہیچ
چو دُم بر داشتیم مادہ برآمد

مارا فلک نشاند بہ پہلوے آں صنم
مدہوش لذتیم و ندانم دگر چہ کرد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پانیر
کرزن چہ گفت و دل چہ شنید و ملر چہ کرد

رفت دنبال ڈارون آں شوخ
بوزنہ ماند و آدمی گم شد

سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

ما نیچری شدیم و نداریم آگہی
با دیگراں نوشتۂ کلک قضا چہ کرد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز جبرئیل
احمد چہ گفت و او چہ شنید و خدا چہ کرد

ہیٹ رانہ بر سر من جائے دستار اے عزیز
مرد تا مسٹر تواند شد چرا قبلہ شود

خدا کا گھر نہ رکھا دلکو ہمنگو نہیں مکیں ہو کر
بھلایا عرش کو اس قوم نے کرسی نشیں ہو کر

عہد انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر تغیر
کیا تعجب ہے جو نکلا ہے پیمبر نمبر

سبلے پاس کے تو ساس کی بھی [illegible]
موقوف شادیاں بھی ہیں اب امتحان پر

مصارف سے لندن نہ ہو سکے برداشت
غرضکہ یاروں میں افیون ہی چلی آخر

تیغ نے عشق بتاں کے وہ طریقے سیکھے
کہ ہوئے دیر میں بھی اب بڑے حضرت مشہور

مشرق سے تجھے اگر ہوئی ہے نفرت
للہ اکبر نماز مغرب تو نہ چھوڑ

شیخ صاحب کا نکل سکتا ہے مطلب کیونکر
نظر آسکتی ہے اب رونق مذہب کیونکر

کار دنیا سے فراغت ہی عزیزو نکو نہیں
پھر کہیں اُنسے اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ کیونکر

good ۹

میں ہوا رخصت اُنسے اے اکبر
وصل کے بعد تھینک یو کہکر

پائے در پتلون و دل در پیشواز
چندروزے باہمیں حالت بساز

کرلیا بی بی نے اچھی انٹرنس اس سال پاس
والدہ صاحب تو ہیں خاموش لیکن خوش ہیں سیاس

لاٹھی شبان اٹھائے اگر ذیب کے خلاف
ہے ظلم اسکو کہئے جو تہذیب کے خلاف

سوچ نصیحت اکطرف دلکی روانی اکطرف
گل شیخپورہ اکطرف میری جوانی اکطرف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے
نئی ملت کا ہوں میں زاہدِ خشک

انجمن کو یہ آگ ہو مبارک
دہلی کو سہاگ ہو مبارک
انگریز کو بھاگ ہو مبارک
قومی ہیں راگ ہو مبارک

کمیٹی میں جتنے ہیں ارکان لیگ
بفضلِ خدا سب ہیں میرے کلیگ
مگر اُنسے ہے مجھکو تخصیص خاص
کہ ہے نام کے ساتھ جنکے علیگ

بنگلہ دیکھو تو صرف واحد حاضر
اسپرٹ غضب کہ جمع غائب بالکل

بدلی کے سبب سے چاند آیا نہ نظر
بیٹھے رمضان کے نمازی ہیں ملول
سائنس نے کرلیا تھا منظور انتیس
نیچر نے کہا کہ تو سہی تیس وصول

بیٹ ہی کو کرلیا جب قوم کے سر نے قبول
دخلِ انگریزی پہ اردو کی شکایت ہے فضول

فتنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم
شہر ابراہیم باقی - دین ابراہیم گم
حسرت عشاق بازار جہاں میں کچھ نہ پوچھ
زر مہیا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم
شہرِ دل کیواسطے اب ان بتوں سے کیا [illegible]
کرچکے ہیں بھائی صاحب ہم تو مفت اقلیم گم

وہ منانے میں بھی بناتے ہیں
کہتے ہیں ہاں جاؤ [illegible]

دانم کہ سادگی و خاموشی است اولیٰ
تقلید دہر لیکن بیہودہ است ہوشم
سودائے گفت در سر و ضعف صلیب بر
دانم چرا نگویم دارم چرا نپوشم

کریما بہ بخشائے بر حال قوم	صلوٰۃ است رائج در الیشاں قوم
مرے تمکو لتنے کیوں بھرتے ہیں وہ اخبار کے کالم جدھر صاحب اُدھر دولت جدھر دولت اُدھر چندہ	کوئی یہ شیخ سے کہدے کہ سنئے قبلۂ عالم جدھر چندہ اُدھر آنر جدھر آنر اُدھر بندہ
رہگیا دل ہی میں شوقِ سایۂ الطافِ خاص کھانیکے کمرے سے رخصت کردیا بعد از ڈنر	مجھکو آنے کی اجازت دی نہیں بڈ روم میں تھیں فقط چھریاں ہی اور کانٹے مرے مقسوم میں
مغربی دھول کا سر تک پہونچتا تھا اثر	اسقدر بات بہت خوب تھی عمامے میں
ابھرے ہیں عیب اُنکے اور خوبیاں دبی ہیں اپنوں کو بد بنایا بندر کو جد بنایا اپنی ہوس کے آگے ملت کو چھوڑ بھاگے	بیدین اگر نہیں ہیں تو شیخ جی غبی ہیں بت کو صمد بنایا کیا خوب قرطبی ہیں اور کہدیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں
حرم میں مسلموں کے رات انگلش لیڈیاں آئیں طریقِ مغربی سے ٹیبل آیا کرسیاں آئیں امنگیں طبع میں ہیں شوقِ آزادی کا بلوا ہے	پئے تکریم مہماں بن سنور کے بیبیاں آئیں دلوں میں ولولے اٹھے ہوس میں گرمیاں آئیں کھلینگے گل تو دیکھوگے ابھی کلیوں کا جلوا ہے
مجھے سنا کے یہ کہتا تھا ایک طفلِ ذہین سبب ہے اسکا مگر صرف ضعفِ ملت و دین کسی میں دم ہی نہیں ہے تو دم بھریں کسکا	یہ سچ ہے ہم میں وفا و ادب کی بو بھی نہیں جناب قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دیر نشیں بزرگ ہی نہیں باقی ادب کریں کسکا
دین و تقویٰ سے بہت دور ہوا جاتا ہوں مری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت	بادۂ عیش سے مخمور ہوا جاتا ہوں ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں
جسے موقع ملا وہ جا بسا بستی سے بنگلے میں	مزا دیتی ہے تمکو الفتِ قومی کی جنگلے میں
شیخ جی دیر میں بیٹھے ہوئے گاتے تھے بھجن میں نے ٹوکا تو لگے کہنے مناسب نہیں کہ	ناگہاں سوئے برہمن تھے بشوقِ بھوجن ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند
بہت سے لوگ وہ اپنی سمجھ میں حکمت اسکو کہتے ہیں	میں سمجھا خیرخواہ اُنکو حماقت اسکو کہتے ہیں

نئے سلیقوں کو کفر سے پا کے قریں، یہی تھی گو ہر زہرہ جبیں
یہ موسئے تو صریح ہیں دشمن دیں۔ ارسے انکا تو کوئی خدا ہی نہیں

تنی سطر کو نیچے چلکے چمکینگے بہت۔ بڑے لوگوں کے منھ کو تکینگے بہت
یہ کہیں تو نہیں تو بکینگے بہت۔ وہ لے سجدے میں شوق خدا ہی نہیں

سنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ
گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

تنہائی قناعت کا یہ دور ہے اب دشمن
پیڑوں پہ نہ وہ طائر صحرا ہے نہ وہ جوبن
جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کے ہیں پائیں
املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تمسے
کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

جور فلک کا ماجرا آپ سے کیا بیاں کریں
تفرقہ دیکھئے ذرا ہم پہ یہ ہیں عجیب دن
عقل سپرد ماسٹر۔ مال سپرد آنجناب
جان سپرد ڈاکٹر روح سپرد ڈارون

پڑے گنگناتے تھے لالہ نرنجن
نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن
چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے
کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

دین سے دور ہیں مسجد سے پھرے جاتے ہیں
پھر بھی اس بت کی نگاہوں سے گرے جاتے ہیں
ہیں سنے ما تا کہ کلیں تیز چلی ہیں لیکن
آپ شہتیر نہیں ہیں کہ چرے جاتے ہیں
دو خبر انکو خدا سے جو پھرے جاتے ہیں
کہ بتوں کی بھی نظر سے وہ گرے جاتے ہیں

پریڈ پر شیخ جی پکارے کہ ہم تو اب بھی مطیع رب ہیں
کہا کسی نے یہ مسکرا کر میاں تمہیں تو بڑے غضب ہیں
گریجویٹ ایک بچے بولا حضور پروا کریں نہ کچھ بھی
ضعیف و خستہ خراب و رسوا یہ میاں جی چار شب ہیں

اکبر کے کلام میں مزا کچھ بھی نہیں
گو اسنے بہت کہا۔ کہا کچھ بھی نہیں
زلف و کمر بتاں کا مفقود ہے ذکر
شیطاں پہ طعن کے سوا کچھ بھی نہیں

بتوں نے وہ ترقی کی جمال روح پرور ہیں
یہ معنی ہیں کہ پھر سب لے کے عاشق ہو گئے انکے
کہ پھر انکو جگہ دی قوم نے اللہ کے گھر میں
مزا ہے میں اب وہ ہے جو تھا اللہ اکبر میں

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے
ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض
اونٹ کے سو لغات جانتے ہیں
کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

بنے بندر سے ہم انساں ترقی اسکو کہتے ہیں
ترقی پر بھی نیٹو بدنصیبی اسکو کہتے ہیں

یہ نہ پوچھو مجھ سے یہ کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں
شیخ یہ سوچو تمہارے پاس پیسا کیوں نہیں

سامنے کوچ پر جو لیٹی ہیں
ہوں علالت سے میں جو زیر علاج
حکم دیتا ہے مجھکو اس کا یہاں
کین صاحب کی پیاری بیٹی ہیں
روزہ میرا قضا ہوا ہے آج
اس لئے کی ہے دعوتِ مس کین

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں
جز اخلاص تھے قبل اسکے اب اسپنسر کے ٹکڑے ہیں

نیست کس مصروف کار دین و قلب مطمئن
یک فنا فی الآنرست و یک فنا فی الڈارون

جب کہا میں نے خدا سے آپ ڈرتے کیوں نہیں
وہ بگڑ کر بول اٹھے آپ مرتے کیوں نہیں
جب یہ حالت ہے طبائع کی تو کیوں کہتے ہیں لوگ
اکبر سے کہتے کیوں نہیں واعظ ابھرتے کیوں نہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور
نہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر
کہ ٹرکی کے دشمن سے جاکر لڑیں
کہ انکی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

حکومت سے سبکدوشی ہے حاصل
غنیمت ہے شب فرقت کی فرصت
رکھو بحث ترقی کو نظر میں
رسالہ لکھو تحقیق کمر میں

بے نمازی ہیں وہ اور اسپہ شرماتے نہیں
یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

انکے حسن اپنی ضرورت پہ نظر کرتے ہیں
گو خوشامد ہے بری چیز مگر کرتے ہیں

نہ دل لیتا ہے لیکچر میں پوری پیچ جاتا ہوں
دل رنگیں ہے یہاں میلا رچانے کی ضرورت کیا
مذاقی حاشیے کو چھوڑ کر دونوں سے بچتا ہوں
اکیلا بیٹھ کر لیلیٰ کی صورت خود ہی تکتا ہوں

یہ بنگالی ہیں جو ثابت ہوئے ہیں اسقدر اکمل
بحمد اللہ کہ غربی پیٹ میں ہیں خوب بچتا ہوں

سے حکومت کی جب یہاں نہ رہی
ہر طرح اب ہے عاجزی ہم میں
حنفی نفی ہیں معطل ہیں
اب ہمارے امام حنبل ہیں (Humble)

آنرا اگر ملے جو ہے نام و نمود میں
دوزخ کے داخلہ میں نہیں انکو عذر کچھ
کیا حرج زندگی ہو اگر حالِ زشت میں
فوٹو کوئی لگا دے جو انکا بہشت میں

کرتب دکھلائیں ممبری کے کیونکر
بی لیگ سے کہدے کوئی حالت میری
جو پیر ضعیف قوم مفتوحہ ہیں
کیوں مجھ سے خفا جناب ممدوحہ ہیں

مدنظر ہے انکو مری صحت کا خیال
خود چکھ رہے ہیں اور مجھے دیتے ہیں یہ حکم
افسوس ہے یہی کہ حریص و خسیس ہیں
ایمان لائے کہ یہ لڈو نفیس ہیں

ورچونس[1] دیکھتے ہیں وہ نہ سنر[2] دیکھتے ہیں (Sinner, Virtuous)
فرنچیز دیکھتے ہیں اور ڈنر دیکھتے ہیں

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں
انکو کچھ ہیں مشاغل حضرتِ اکبر کے ان روزوں
الم ترکیف بیٹھے پڑھ رہے ہیں فیل خانے میں
مرید انکے تو شہروں میں اُڑتے پھرتے ہیں موٹر پر
نظر آتے ہیں لیکن شیخ جی اب تک بیانے میں

ووٹ انکے خواستگار ونمیں شیخ جی گھرے ہیں
بارہ برس پر آخر گھورے کے دن پھرے ہیں

لینا تھا کام جن سے وہ مسخ ہو گئے ہیں
جو عزم تھے ہمارے وہ فسخ ہو گئے ہیں

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو احسان ہو
میں یہ کہتا ہوں مجھے بندہ بنالو اپنا تم
وہ یہ کہتے ہیں کہ مرجاؤ تو کیا نقصان ہو
وہ یہ کہتے ہیں یہ اس سے کہئے جو شیطان ہو

مانتے ہی جاتے ہیں نادان جب انکے قول کو
ہے یہی بہتر کہ واپس لیجئے لاحول کو

ہر آرزوئے دلی کی تم ہوچ نہ کرو
سینے پہ بتوں کے دسترس مشکل ہے
لالچ میں بہت ضرر ہے لالچ نہ کرو
پوائنٹ یہ سخت ہے اسے ٹچ نہ کرو (Touch, Point)

بابو کہنے لگے بجٹ پہ لڑو
ملک کو دیکھو اپنے حق پہ اڑو

[1] نیکوکار [2] فاسق گنہگار

کہہ دیا صاف ہم نے اے مہراج
ما مقیمان کوئے دلداریم
ہو مبارک تمھیں یہ کام یہ کالج
یا ڈیپوٹیشن است یا غم سیم

باتیں ہرگز خلاف غیرت نہ کرو
بدنام کرو نہ وضع انگریزی کو
دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو
پتلون پہن کے ترک طاعت نہ کرو

انھیں دھوتی مبارک ہو تمھیں تہمد مبارک ہو
مجھے پتلون اور یارو انکو مجھ سے کد مبارک ہو

قسمت کا نام لیکر اب بھی گلا ہے جائز
لیکن اسکو بے۔ اے۔ ام سلے جو ہو چکا ہو

لڑیں کیوں ہندوؤں سے ہم یہیں کے ان سے پنپے ہیں
ہماری بھی دعا یہ ہے کہ گنگا جی کی بڑھتی ہو
مگر ہاں شیخ جی کی پالسی سے ہم نہیں واقف
اسی پر ختم کرتے ہیں کہ جو صاحب کی مرضی ہو

نون تمنا کو میں ہے کیوں میم سے لکھتے ہیں لوگ
آج لٹریری لطیفہ یہ سنا اک دوست سے
تد تون تک میں نہیں سمجھا تھا اس مضمون کو
میم سے ماہی کے نکلا حضرت ذو النون کو

انکی کل کوششیں تھیں پولیٹیکل
کمپ کے شیخ کو کہو مرحوم
اسکو خالق کی حسبتہً وجہ نہ کہو
قدس اللہ سرہٗ نہ کہو

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں
عافیت چاہے تو انسان زمیندار نہ ہو

شیخ صاحب یہ مئے شرخ مجھے تو ہے مفید
شغل کچھ آپ بھی فرمائیں جو انکار نہ ہو

مے بھی ہوٹل میں پیو چندہ بھی دو مسجد میں
شیخ بھی خوش رہیں شیطان بھی بیزار نہ ہو

پھیر سکتی نہیں تقویٰ سے مجھے کوئی صدا
شرط یہ ہے کہ وہ پازیب کی جھنکار نہ ہو

توپ کی طرح چل اس عہد میں گو منہ ہو سیاہ
سرخروئی اب اسی میں ہے کہ تلوار نہ ہو

آپ کی جنبش ابرو سے ہوئے شیخ بھی چپ
سچ تو یہ ہے نہ چلے کام جو تلوار نہ ہو

ابر فکر آپ کا برسا تو بہت اے اکبر
اعتراضات کی احباب میں بوچھار نہ ہو

کہدو اکبر سے یہی لوگ ہیں اسوقت کے شیخ
دل سے پیغام سلام جاتے ہیں خالق کیطرف
گو تبرک ہے یہ لے شیخ ولیکن ہے ثقیل
شیخ صاحب کی تملق کی نہ قلعی کھل جاے

آل سید کو تبرا کہہ کے گنہگار نہ ہو
ہمکو کیا غم ہے اگر ریل نہ ہو تار نہ ہو
دیکھئے شب کی عبادت کہیں دشوار نہ ہو
لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

مغرب نے سایہ ڈالا ہتوں پر اثر کے ساتھ
ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہو انکا ہم سفر

ساری بھی آنکھی ہو گئی غائب کمر کے ساتھ
موج انکا اے حباب ٹوٹے تو ابھر کے ساتھ

احتمالِ فتنہ ہے ہر مجمع و ملت کے ساتھ
چھوڑکر صحن حرم اکبر ہے محو طوف دیر

گشت کرتی ہے پولس بھی شیخ کی جنت کے ساتھ
عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کے ساتھ

گھر سے جب پڑھ لکھ کے نکلینگی کنواری لڑکیاں
یہ تو کیا معلوم کیا موقعے عمل کے ہونگے پیش
مغربی تہذیب آگے چلکر جو حالت دکھاے
اوج قومی سے شرافت کا ہما گر جاے گا
ڈلدے گا سینۂ غیرت سپر میداں میں

دلکش و آزاد و خوش رو ۔ ساختہ پرداختہ
ہاں نگاہیں ہونگی مائل اسطرف بیساختہ
ایک مدت تک رہینگے نوجواں دل باختہ
ماکیاں سے پست تر دکھلائے دیگی فاختہ
تیغ ابرو ہی نظر آئے گی ہر سو آختہ

کریما بہ بخشاے بر حال بندہ
کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ

نئی پرانی روشنی کی مکالمت
نئی روشنی کی تعلی

پھر تے ہیں تذکرہ کالج و اسکول کے ساتھ
سترحق کو نہیں دیتے کبھی بھول کے ساتھ

خیر مقدم ہے ہمارا ڈنر اور پھول کے ساتھ
مستقل چال میں ہم اپنی ہر معمول کے ساتھ

عمر گذری ہے اسی بزم کی طراری میں
دوسری پشت ہے چندے کی طلبگاری میں

پرانی روشنی کا جواب

بے ضرورت نظر آتا ہے تعلق کا یہ خیر
اب تو سب آ چکے اپنے ہی ہیں کم رہ گئے غیر

معترض کون ہے جب آپکی نیت ہے بخیر
نہ حرم آپ کو بیگانہ سمجھتا ہے نہ دیر

آپ کو دولت گورنمنٹ سلامت رکھے
مستفید اس سے ہمیں تا بقیامت رکھے

غربا بھی ہیں مگر قوم کے اجزا اکثر
دور ہے اُنسے خود آرائیٔ مغرب کا اثر

غربا ہی سے تعلق میں ہے اُنکو تو مفر
بحث اُن کی بھی اسی بات پہ ہے ختم مگر

آپ کا دل رہِ مغرب کا اگر سالک ہے
کیجئے چین غریبوں کا خدا مالک ہے

آپ بنگلو میں ہیں مسرور تو پھر ہمکو کیا
آپ عہدوں پہ ہیں مغرور تو پھر ہمکو کیا

آپ مسجد سے ہوئے دور تو پھر ہم کو کیا
جاہ ہے آپ کو منظور تو پھر ہم کو کیا

ہمیں اُبھریں گے کبھی گو ابھی پستی میں ہیں
آپ دھبوں کی طرح دامنِ ہستی میں ہیں

ہر گھڑی فکر ہے بازاری بھی درباری بھی
اک مصیبت ہے جوانی بھی زمینداری بھی

ہے طریقِ جدید خشک مزاج
گو کہ اسمیں ذرا نفاست ہے

میرے حق میں قدیم چال اچھی
پھر بھی بسکٹ سے شیرمال اچھی

مچھروں سے سب کے پیتا ہے خونِ خالص
اُڑنے کی طاقت اسکو فطرت نے کیوں عطا کی

فضلہ اسے نہ سمجھو صاحب یہ چیز کیوں ہے
یہ نشترِ ملایم اے ویلین کیوں ہے

مشرق غربی جھپیٹ میں ہے
کیوں اُسکو ہے مولوی پر ترجیح
کیسہ خالی ہے بکس خالی

دل سینے میں تھا سو پیٹ میں ہے
کیا بات کہ یہ جو کیٹ میں ہے
جو کچھ ہے یہاں پلیٹ میں ہے

زبان اکبر کی اس طرزِ سخن پر ناز کرتی ہے
بھجن کی دھن میں تو دیدیت طناز کرتی ہے

معزز کرتی ہے انکی نظر ممتاز کرتی ہے
بس اتنا ہے درِ اتحاد کو بھی باز کرتی ہے

معاشر کمپ میں کیوں جا بسے مجھسے یہ پوچھا ہے
مثالِ اولیں خود تجھ پہ کشف راز کرتی ہے

تدبیر حفظِ جان بتقیہ ضرور ہے
اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

لپٹ بھی جا۔ نہ رک اکبر غضب کی بیوٹی ہے
نہیں نہیں پہ نہ جا یہ حیا کی ڈیوٹی ہے

جو پوچھا میں نے ہوں کسطرح سے ہیپی Happy
کہا اس مس نے میرے ساتھ مے پی

چیز وہ ہے بنے یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیر میں چھپے

چکر آیا اک ایسا جھولا جھولے
قومی عزت کی ہسٹری کو بھولے

جنت کا خیال ہے نہ باغِ دل کا
گملوں ہی پہ اب ریجھتے ہیں ہم بھولے

روح پرور نہ سہی نشہ ذرا تیز تو ہے
نوجوانوں کے لئے ولولہ انگیز تو ہے

نہ سہی معنی قومی فقط الفاظ سہی
چند احباب کا اک شغل دل آویز تو ہے

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نماز عید بھی
تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی ہے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی
وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

دربار سلطنت میں ہے کبر و خود پسندی
مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی

رندی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر
لمیٹڈ ہے اور وہسکی بندہ ہے اور بندی

الفت نہو شیخ کی تو عزت ہی سہی
مرشد نہ بناؤ انکو دعوت ہی سہی

بگڑا ہے جو دل زباں ہی کو روکو
رونا جو نہ آئے غم کی صورت ہی سہی

رفتار ترقی یہ کہیں ناچ نہ ہو جائے
یہ قرأت مصری کہیں کھلاچ نہ ہو جائے

توحید کی تحریک سے زندہ ہے ترا دل
مغرب کی گرکوک سے یہ واچ نہ ہو جائے

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے
اسی پر شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

کہاں باقی ہے ہم میں وہ اورادِ سحرگاہی
وظیفے کی جگہ پاینیر - I. D. T. ہے

گئے شربت کے دن یاروں کے آگے اب تو اے اکبر
کبھی سوڈا کبھی لمنڈ کبھی ہسکی کبھی ٹی ہے

گُل پھینکے ہے یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

اغیار تو دنیا ہیں اُٹھائے ہوئے سر پر
ہم بیٹھے ہیں اس طرح کہ اُٹھتا نہیں سر بھی

اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہیں واقف
ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اُس بت کی کمر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بمبئی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

ساحل نظر آتا ہے نہ مچھلی ہے نہ بمبئی
کیا لہریں لیا کرتے ہیں بیسہ کانفرنسی

دیر میں محو بت بھی وعظ میں قبلہ رو بھی ہے
شیخ ہمارا خوب ہے پیر بھی ہے گرو بھی ہے

بت پہ جو پھر پڑے تو خوش سجدے میں گر پڑے تو جا
وضع نئی چلن نیا مست بھی ہے وضو بھی ہے

یورپ میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی
لیکن فزوں ہے اس سے تجارت بڑھی ہوئی

ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ
دیکھو مگر پیرس کا ہے سوپ[1] ہر جگہ

غلطی مجھ سے ضرور یہ ایک ہوئی
لینا تھا لغت سے اور ہی لفظ کوئی
پیدا او جہ نصیحت ایک نیک ہوئی
مس کو جو لیا یہ مجھ سے مسٹیک[2] ہوئی

وہ تو گرجا پر رُکا اور یہ گیا کعبے کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

وضع مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی
ناز تو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی

مسمریزم کے عمل میں وہ ہر اب مشغول ہے
مغرب و مشرق میں اک عامل ہے اک معمول ہے

جسم و جاں کیسے کہ عقلوں میں تغیر ہو چلا
تھا جو مکروہ اب پسندیدہ ہے اور مقبول ہے

مطلع انوار مشرق سے ہے خلقت بے خبر
مستند پر تو وہ ہے مغرب سے جو منقول ہے

گلشن ملت میں پامالی سرافرازی ہے اب
جو خزاں دیدہ ہے برگ اپنی نظر میں پھول ہے

کوئی مرکز ہی نہیں پیدا ہو پھر کیونکر محیط
جھول ہے بھید کی ہے ابتری ہے بھول ہے

حکام پہ بم کے گولے ہیں اور مولویوں پر گالی ہے
کالج سے یہ کیسے سانچوں میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے

[1] صابون [2] غلطی

قابلِ رشک ہے زمانے میں
دن وکیلوں کا رات عاشق کی

شدلیشی گورنمنٹ سے بچ گئی
یہ بانی پیپرمنٹ سے بچ گئی

افسردگی پہ اُسکے لگا دل جو تڑپنے
کل شب اُس کہا میں نے یہ محبوب سے اپنے

گو پاس ترے رہ نہ گئی دولت و حشمت
ہے حُسن خداداد وہی اور وہی صورت

سو نے ہی کی تدبیر پہ فقط مجھکو نہیں غش
پھولوں کی بھی یہ ہی ہے ترے سینے پہ دلکش

جو دل کہ تری پھولوں کی بدہی کو نہ پوچھے
برباد ہو ایسا کوئی آدہی کو نہ پوچھے

تہیں عبد لی زباں اُس شوخ کی یہ کون کہتا ہے
میں جب جاتا ہوں اُسکی بزم میں ٹ ڈون کہتا ہے

وضع سابق سے بہت ہندی کو سیری ہو گئی
ہو مبارک ملک کو میٹنا کتیرجی ہو گئی

ہیٹ پہونچی شیخ کے سر پر جو دل کے جوش سے
اور بھڑکے شعلہ ہائے فتنہ اس سرپوش سے

بنگئے صاحب سِر صاحب کا کیا ہے آپ میں
کیا کھلیں ٹپکینگے سقف بنگلۂ خس پوش سے

باغ امید کے پھل ہوتے ہیں روز منابع
ہمکو خدا بچائے اولاد ڈاروں سے

۴ بیدل ہمیں بروز سلونو نہ کیجئے
للّٰلہ بات مانئے اڈلو نہ کیجئے

کل کی صدا نہ خوبیٔ فطرت نہ لطف دید
بہتر یہی ہے خواہشِ فونو نہ کیجئے

مجھ خستہ کی ہستی نہیں کچھ آپکے آگے
تجھ سے کی ہے کیا اصل مٹن چاپ کے آگے

ملک پر تاثیر چشم ووٹ طاری ہو گئی
مفت شیخ و برہمن میں فوجداری ہو گئی

ہندوونکو کیوں نہ اب بھائی بنائیں صلح دوست
آریہ مذہب میں بھی توحید جاری ہو گئی

ممبری پر جنگ ہوا ہمیں گئو کا کیا قصور
ملک میں بدنام ناحق یہ بچاری ہو گئی

کرتے ہیں بائیسکل پر خوب وہ وضع ہلاج
ایتو بیلین ارغنون کا یہ سواری ہو گئی

ہم کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

جن لوگوں نے مسلمونکو بہکایا ہے
کامل کب اُنکو علم و فن آیا ہے

جو فلسفی ہیں اصل وہ ہیں خاموش
الحاد تو ٹٹینیوں نے پھیلایا ہے

لہ طالانہ خوبصورت تہ شعر رنگ تہ تہیں تہیں تہ مشین

لیا صبحِ شبِ وصل اُسکا بوسہ میں نے سچ ہے
اسی پر بول اُٹھی وہ شوخ مس یہ فائنل جج ہے

تھا امن کسی قدر سو وہ دن بھی چلے
ظاہری کے سمت اہلِ باطن بھی چلے
مجلس پہ ہوا اضافۂ کانفرنس
مسلم تو جا چکے تھے مومن بھی چلے

اُس مس کی زباں رات جو لی میں نے دہن میں
Hedge
بولی کہ تری راہ ترقی میں یہ ہیج ہے
میں نے کہا اسکالرِ مشرق ہوں نہیں ای مس
Second Language
چپ رہ کہ یہی میری سکنڈ لینگویج ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی
ہو ہی گئے تم غرضکہ ڈپٹی
کرنے گیا اُن سے بھینٹ خالی
کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

شیعہ و سنی میں جنگ اک دھوم دھامی ہوگئی
چار یار و پنجتن کی نیکنامی ہوگئی
کیا شرف بخشینگی تم کو عرش پر یہ کاوشیں
جب زمیں پر تم کو غیروں کی غلامی ہوگئی
ایک قرآں ایک قبلہ ایک اللہ اک رسول
بدنصیبی ہے کہ تفریق دوامی ہوگئی
مومنانِ امن جو کو دیر کی سوجھے گی اب
جب حرم کے صحن میں بدانتظامی ہوگئی
اشتعالِ آتشِ افسردہ اس طوفان میں
پختہ طبعوں سے الٰہی کیوں یہ خامی ہوگئی
جس نے کھولی بہرِ صلح و آشتی اپنی زباں
پیشِ حق مقبول اُسکی خوش کلامی ہوگئی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

اکبر بھی قوی کام کو اُٹھے بشوقِ مغفرت
His Lowliness
ہز ہائینس کے ہم عناں ہز لو لینس بھی ہوگئے

مجھ کو ہے پسند اس سبب سے یو۔ پی
یعنی یو پی کا قافیہ ہے روپی
ہے فصلِ بہاری بھی ہم آہنگ اسکی
جب آتی ہے کرتی ہے اشارا تو پی

دورِ یونیورسٹی میں اِن کی ترقی ہے ضرور
شیخ جی مدیون ہیں اور قوم ڈگریدار ہے

شیخ کو گانٹھ لے سلیقے سے
چھین کر مغربی طریقے سے
متفق اس پہ ہوگئے کہ و مہ
اب تو یہ مسئلہ ہے مفتی بہ

نامی کے آگے ٹیمز کا دلچسپ پاٹ ہے
گنگو کی جانفزائی گنگا کا گھاٹ ہے

ڈوبے ہوئے ہیں یہ بھی مگر اپنی بات میں / پیرو بھی بہ رہے ہیں خیالی فرات میں

یہ اتنی ستر پوشی تیری اے شرقی غنیمت ہے / دسے جا چندہ بس تعلیم کی غرقی غنیمت ہے

انظر اے الہ آباد کا تصور جو دل میں ہے / یہ وجہ ہے کہ آجتک آنرایل میں ہے
کمسریٹ اب بھی اسکا ہے محتاج دیکھیے / معذور اگرچہ اسکا قدم آج کل میں ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے / یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

راہ مغرب میں یہ لڑکے لٹ گئے / وہاں نہ پہونچے اور ہم سے چھٹ گئے

شوق ہے پُن کا نہ طاقت پاپ کی / سب ہیں بس ٹھرتی مناتے آپ کی
ہو چلے ہگلی کے لکچر اب ہمیں / فکر ہے گنگا کنارے جاپ کی
قطر جو کچھ ہو محیط اک انچ ہے / دھوم ہے انکی کمر کی ناپ کی
شیخ جی قانع کے گھر میں تو جنم / ورنہ اب مٹی ہے ہستی آپ کی

ملجاتا ہے دنیا سے اسکو جس شخص کا جتنا حصہ ہے / ہے اتنی بات ٹھکانے کی باقی تو کہانی قصہ ہے

وہ فرماتے ہیں اے اکبر یہ روزہ اک قیامت ہے / بجا ارشاد ہوتا ہے مگر افطار جنت ہے

میں نے جو کہا دیکھو تو ذرا اب قوم پہ کیسا جوبن ہے / وہ ہنسنے لگے کہنے صاحب یہ قوم نہیں ہے پلٹن ہے

عزیزان وطن کو پہلے ہی سے دیتا ہوں نوٹس / چرٹ اور چائے کی آمد ہے حقہ پان جاتا ہے
یہ اتنی گوشمالی طفل مکتب کی نہیں اچھی / زبان آتی ہے اسکو سچ ہے لیکن کان جاتا ہے
مری مو ڈاڑھی سے رہتا ہے وہ بت انکار پر قائم / مگر جب دل دکھاتا ہوں تو فوراً مان جاتا ہے

وہ مس بولی ہیں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے / مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مافک ہے
نہ مانا شیخ جی نے چکھ گئے دس پانچ یہ کہکر / اگر قابض ہیں یہ بسکٹ تو ہوں اللہ مالک ہے

لگی لپٹی ہر اک سے یہ بری عادت تمھاری ہے / مری جاں اسمیں اک دن احتمال فوجداری ہے

ترقی پر خدا کے فضل سے ہے بزم رنداں بھی / فقط پیر مغاں تھے آگئے اب پیر نسواں بھی

شیخ جی ہیں دیر کے سائل بس اتنا فرق ہے / مجھ کو بوسا چاہیے انکو سموسا چاہیے

کیا تعجب ہے دیا ووٹ جو لالہ کے لئے
بُت تو تھے ہی مرے معشوق برہمن بھی سہی

کھول کر در کو کہا اُس بُتِ اِسکولی نے
جب نقاب اُٹھ گئی آگے سے تو چلمن بھی سہی

کاش کرے مجھے وہ شاہدِ ہوٹل منظور
کیک تو روز ہے اک رات تنجن بھی سہی

سنتا ہوں قبر مری ریل میں آجائیگی
خود مٹا ہوں جب اِسی راہ میں مدفن بھی سہی

قلی اک اِس طبیعت کا ملا جو کل یہ کہتا تھا
مرے دل میں خیالاتِ بلند آنے نہیں پاتے

سڑک پر کام میں تکلیف ہے بنگلے پہ بے لطفی
یہاں سایا نہیں ہے اور وہاں گانے نہیں پاتے

کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے مُنھ موڑئے
گرم پانی ڈالئے یا چارپائی چھوڑئے

زندگی تھی ہی مصیبت موت بھی برباد ہے
کس قدر اِس دور میں بگڑا ہوا ہے دین ہائے

ماسٹر ہیں نزع میں لڑکوں کی شامت دیکھئے
اونکا فوٹو لیتے ہیں پڑھتے نہیں یاسین ہائے

کیا خوشی اِس کی مجھے۔ اُنکو جو نوابی ملی
روغنی صاحب نے لی مجھ کو وہی آبی ملی

جیب سے مفروری زر بے تحاشا دیکھئے
جلوۂ بازار مغرب کا تماشا دیکھئے

نکلا یہ آب و تاب بنارس سے اولڈ بوائے
اللہ اُس کو گولڈ بھی دے اور پرل بھی

خواہش ہے اب یہ بعض محبانِ قوم کی
نکلے کسی طرف سے یونہیں اولڈ گرل بھی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

وہ ہیں ذی حلم و معتز جنکا ارشاد و عمل
طالبانِ حق کے دِل کی کر رہا ہے رہبری

بعض اسپیکر نظر آتے ہیں تم کو یہ تو ہیں
نوکری اور ممبری کی منڈوی کے چودھری

یہ غنچے۔ میل کی اُمید کے کھِلنے نہیں پاتے
خدا اِس بیٹ سے سمجھے کہ دِل ملنے نہیں پاتے

اُنھیں سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے ردی بات کی

نہ اُنمیں رنگ باغی کا نہ اُنمیں بو ہے داغی کی
یہ حجت ہے فقط درگاہِ قومی پر چراغی کی

یہ پردہ دردسرِ قوم کس نے بھیجا ہے
کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن
اِزار بند کو کہہ دینگے جس بیجا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی
چلی جاتی ہے گستاخی ٹھنڈے خاں کی لاٹھی کی

باز آئینگے نہ پولٹیکل انٹریگ سے
جب کچھ نہیں تو لاگ لگائینگے لیگ سے

اک شغل زندگی ہے بہارِ نمود ہے
منظور دشمنی نہیں اپنے کلیگ سے

نہیں کچھ اسکی پرسش الفتِ اللہ کتنی ہے
یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

اب کہاں دستِ جنوں تارِ گریباں اب کہاں
پائنیر اور دستِ مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کسرٹ میں ٹھیکہ دودھ کا
ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

آزاد ہوں نہیں ہے کوئی مدعائے خاص
جس رخ ہے قافیہ مرا مطلب بھی ہے وہی

مذہب کو شاعروں کے نہ پوچھیں جنابِ شیخ
جس وقت جو خیال ہے مذہب بھی ہے وہی

ڈنر سے تمکو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کب حاضریٔ شب کی اجازت طلب ہوئی
کیوں ضبطِ شوقِ دل کی ضمانت طلب ہوئی

ضمیمۂ ظرافت

بحرِ آزادی میں ہیں کیسا تموّج ہو گیا
قاصراتُ الطرف[عہ] کو شوقِ تبرّج[عہ] ہو گیا

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہوگا

مرا کینہ نتیجہ ہے جفائے چرخِ گرداں کا
مرا جینا ہے منبع سیلِ اشکِ چشمِ گریاں کا

مرا جینا ہے بس اک سلسلہ انفاسِ سوزاں کا
مرا سینا ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا

طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

خدا سر دے تو سودا دے کسی لچھے پیلاں کا
خدا زر دے تو دل کو ذوق دے یورپ کے ساماں کا

خدا پر دے تو ہُدہُد کر دے بلقیس و سلیماں کا
خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا

جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے نیلستاں کا

دورِ گردوں نے اُبھارا دیر کو سچ ہے مگر
یہ نہ سمجھے حضرتِ سید نے پھر کیا کر لیا

عہ نیچی نگاہ والیاں۔ عہ اپنا سنگار دکھاتے پھرنا۔

اُن نگاہوں سے کہ جو تھیں خوگرِ طوفِ حرم
آفریں کہئے کہ بُت خانے کو اپنا کر لیا

رشتۂ در گردنم افگندہ پیٹ
می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

بزرگانِ ملّت نے کی ہے توجہ
کمی پر رہینگے نہ عالم نہ عابد
ترقی دین ہو گی اب روز افزوں
علیگڈھ کا کالج ہے لندن کی مسجد

دونوں صاحب ہیں محبِ قوم کسکو ووٹ دوں
پیش کر سکتا ہوں کیونکر کوئی دعویٰ بے دلیل
بس دعا میری یہہ ہے اللہ فرمائے عطا
کامیابی ایک کو اور ایک کو صبرِ جمیل

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہا میں نے صاحب سے باصد ملال
کہاں جاؤں اب ہیں ذرا یہہ بتاؤ
وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ
یہہ سنکر بہت طبع غمگین ہوئی
مگر اس تصور سے تسکین ہوئی
کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے
تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شئے

متفرقات

مبارک ہو فلک کو مائل جور و ستم رہنا
طریق حق پہ لازم ہے ہمیں ثابت قدم رہنا

مسلّم ہے مگر بات نبی کی نہیں سنتا
لڑکا ہے مگر اپنے دلی کی نہیں سنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش
آپسمیں نواب کوئی کسی کی نہیں سنتا

من نگویم کہ دریں باغ بیے جنگ درآ
آخرت پیش نظر دار و بہر رنگ درآ

اس دورِ فلک میں کوئی کیا دیکھیگا
جو کچھ دکھلائیگا خدا ۔ دیکھیگا
رنجیدہ ہے جس نے ابتدا دیکھی ہے
بے حس ہو گا جو انتہا ۔ دیکھیگا

اثباتِ خدا کو منطقی اُٹھ نہ سکا
خاک حیرت سے ذہن ہی اُٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری
ثابت ہونے کا بار بھی اُٹھ نہ سکا

ایسے غمزوں سے دلِ خوں گشتہ کیا ہوگا بحال
اب تو جو ہونا تھا وہ اسے چشم کافر ہو چکا

بوئے گل میں فسوں ہی وہ نہ رہا
موسم بدلا جنوں ہی وہ نہ رہا
سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبر
جب اپنی رگوں میں خون ہی وہ نہ رہا

بگڑا میں بہت اُن پہ مگر بات بنی کیا
آنا بہ تکلف جو ہوا بھی سو شدنی کیا

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی ہر برڈ کا
ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہر ورڈ کا
زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظمِ برطانیہ
سکہ بیٹھا ہے دلوں پر حضرتِ اڈورڈ کا

ہمکو ابرو کی کجی[1] نے مارا
شیخ صاحب کو کجی[2] نے مارا
خانۂ دیں ہوا القصہ تباہ
آئی آواز کہ اِنّا لِلّٰہ

گئی حق پرستی بھی اِس دور سے
شرافت کو بھی چیخ نے تہ کیا
یہی شرطِ دعوت ہے اب قوم میں
اگر سیم داری بیار و بیا

پیدا ہوا دماغ میں جوشِ نشاط کیا
ننھا سا پھول دیکھئے اِس کی بساط کیا

اثر سب پر پڑا ہے انقلابِ رنگِ عالم کا
نہ اب ہے طعن کا موقع نہ ہے اب وقت ماتم کا
بسر کر با قناعت زندگانی کنجِ عزلت میں
نظر میں پر مناسب ہے تصور چھوڑ دے ہم کا

کیا زور تھا وعظِ تحریر میں دیوتاؤں کا بھی جی چھوٹ گیا
تقویٰ کی بنائیں ہو گئیں شق شیرازۂ ملت ٹوٹ گیا

ایک اِس عہد میں دو دل بھی نہیں ای اکبر
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

شکر ادا کرنا ہے واجب اُنکی طبعِ نیک کا
ہر ڈنر سے بھیجتے ہیں مجھ کو فوٹو کیک کا
ضعف سے رعشہ ہے یا غزلی ہوا کلبہ اثر
ہینڈ کو میرے مرض لاحق ہوا ہے شیک کا

ہم تو ہر حال کو ماضی ہی سمجھ لیتے ہیں
لوگ مر جائیں گے اور وقت گذر جائیگا

شیخ لندن میں بھی مسجد کی بنا پر ٹھن گیا
کعبۂ دل میں کلیسا عشقِ مس کا بن گیا

ہے بے اثر کیا نہیں جسنے فقط کہا
اکبر نے یہ کہا تو کہو کیا غلط کہا

فتحِ عرب پہ گو ہے تمھیں شوقِ ناز کا
بہتر ہے اُس سے ذوق درود و نماز کا
گردن اُٹھائیے نہ بہت پالٹیکس میں
مسجد میں اب ہے کام جبینِ نیاز کا

---

[1] ایک نفس پرستی میں مبتلا ہے ۱۲ [2] ایک آزر پرستی میں مبتلا ہے ۱۲ [3] ہاتھ ۱۲ [4] جنبش رعشہ شیک ہینڈ۔ ہاتھ ہلانا ۱۲

ہو جاگتوں میں شامل یا تو ہو سونے والا	ہو کر رہیگا اکبر جو کچھ ہے ہونے والا
وقت ہی پر ہر ایک کام اچھا	آسماں کا پروگرام اچھا
قرب ہے جنکو تختِ شاہی سے	دور ہی سے اُنھیں سلام اچھا
فضول بحث میں وقت اپنا کھو نہیں سکتا	زیادہ اب شبِ غفلت میں سو نہیں سکتا
گذر گیا دلِ دنیا پسند دنیا سے	اس انجمن کا میں اب رکن ہو نہیں سکتا
مصیبت آپڑی تو سہل ہے شدّت سے غم کرنا	مگر مشکل ہے جینا باخبر غفلت کو کم کرنا
کرتا نہیں کوئی اِن میں ذکرِ مولیٰ	ہے مانگ روپے کی غل ہے ونش لااُتولا
مجلس ہے یہی تو اس سے عزلت بہتر	دنیا ہے یہی تو ترکِ دنیا اولیٰ
اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا	طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا
بے زور نمود کا اثر کیا	جب مغز نہیں تو لفظ سر کا
صوفی کا مذہب مختصر سب سے کھرا سب سے جدا	ہم تم کے جھگڑے لغو ہیں یا کچھ نہیں یا سب خدا
نہیں اہلِ یقیں جب وہ تو یہ کیا مذہبی ہونگے	اثر پڑتا ہے شاگردوں پہ اُستادونکے باطن کا
ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو جھکڑ کے وہی	مغربی فقروں نے لیکن منھ کو انجن کر دیا
طلبِ زر ہے جنکو اے اکبر	وہ رہیں منکرِ خزانۂ غیب
ہم تو مضموں وہیں سے پاتے ہیں	معتقد ہم تو اُس کے ہیں لاریب
نہیں مناسب کہ ہو یہ مہوا کبھی حریفِ موزِ صاحب	بجا ہے فرما رہے ہیں جو کچھ حکیم عبد العزیز صاحب
حکیم اور بید یکساں ہیں اگر تشخیص اچھی ہو	ہمیں صحت سے مطلب ہے بنفشہ ہو کہ تلشی ہو

حواس مختل سمجھ پریشاں عمل میں سستی قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہے کبھی کوئی پالسی ہے غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبر
مقیمِ دیر و مریدِ شیخ و اسیرِ قانون و محوِ مغرب

اگلی روش جو تھی وہ تھی پیغمبری کی بات
موجودہ ہر طریق ہے کاریگری کی بات

پڑا تھا چٹائی پہ گوشے میں میں
شکایت انھوں نے جو کی کہہ دیا
نہ اُٹھا جو آئے مرے ایک دوست
تواضع زگردن فرازاں نکوست

درکارِ چندہ سیم و زر از جیب در رفت
مالِ حضور بود براہِ حضور رفت

تضمین بر غزل حافظ

واقف سرِّ خفی حافظِ اسرار بماند
خلق صد رہ طرفِ شبہ و اقرار بماند
حدِّ بیگانۂ باطن صفت اظہار بماند
ہر کہ شد محرمِ دل در حرمِ یار بماند
وانکہ ایں کار ندانست در انکار بماند

شش و پنج اسمیں کسیکو ہے نہ ہے ہفت نہ ہشت
نہ تو گلشن ہی ہوا معترض انہیں نہ تو دشت
بے خطر کوچۂ رندی میں لگاتے رہے گشت
خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت
قصۂ ماست کہ بر ہر سرِ بازار بماند

قیس و فرہاد کے قصّوں سے بھرے ہیں دفتر
خوب فرما گئے ہیں حضرتِ حافظ ۔ اکبر
آج تک اُنکے فسانوں کا دلوں پر ہے اثر
از صدائے سخنِ عشق نہ دیدم خوشتر
یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند

میں نے کہا کہ اب تو مسجد سے ہے مجھے کد
میں نے کہا مخالف تیرا بھی ہوں تو بولا
گرجا اُبھر کے بولا میں اس سے خوش ہوں بیحد
میری ہی پالیسی کی واللہ ہے یہ تائید

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاکِ ما ہم بر باد رفتہ باشد

غمِ عشق تو دے را چو لطیف و پاک سازد
مسِ من فگند بر من نظرے کہ کس نداند
غمِ دہر را چہ یارا کہ ورا ہلاک سازد
دل من گرفت از وے اثرے کہ کس نداند

چو سوال کردم از وے زماں کار کالج
زپروفسر شنیدم خبرے کہ کس نداند

طفل مکتب کہ سخنہا زباں میگوید
طبع او فونوگرافست وسرودش سبقش
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت وچناں میگوید
انچہ بستند برو نقش ہماں میگوید

نہ سنّی ہے خوش اور نہ شیعہ ہے شاد
غمِ ڈگری و ماتمِ پرشیا
ہے دونوں کے مرکز میں برپا فساد
مسدس اُدھر ہے اِدھر مرثیا

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند
ہاں علیگڈھ کی بھی تم تشبیہ لو
پیٹ ہے سب پر مقدم اے عزیز
اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند
اک معزز پیٹ بس اسکو کہو
گو کہ فکرِ آخرت ہے اصل چیز

نہ ہر کہ ووٹ بیند وخت ممبری داند
نہ ہر کہ ہیٹ بپوشید وکوٹ در بر کرد
نہ ہر کہ بحث بیاموخت لیڈری داند
ادائے مغرب وآئین مسٹری داند

تھی مرے پیشِ نظر وہ مسِ تہذیب پسند
ملک الموت نے ناگاہ بھری ایک زغند
بجھی وہسکی مجھے دیتی تھی کبھی شربتِ قند
پارک کو چھوڑ کے ہونا ہی پڑا قبر میں بند

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

آمادگی مجھے تو رہی ہر گناہ پر
فضلِ خدا سے بخت ہی نہیں آئے راہ پر

ہیں اہلِ جہاں منکر اللہ سے کد پر
ہنگامے انہیں کے لئے ہیں صلِّ علیٰ کے
دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کے لحد پر
جو زیست میں عاشق تھے ہو اللہ احد پر

حضرت کی نبوت میں ہو کس طرح مجھے شک
تھی شانِ جلالی کہ عدو رُک گئے آخر
ہر ذرہ کو ہے وردِ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ
وہ نور تھا عالی کہ صنم جھک گئے آخر

میں بھی ہوں بدل مؤید آزادی کا
آزاد ہوا اسلیئے کہ اغیار ہوں قید
لیکن اک نکتہ سُن لے اے پاک ضمیر
مطلب یہہ نہیں کہ خود ہو غیروں کے اسیر

شتر و روباہ سے کمتر ہیں بن ہیں محتسب ہو کر
قرارِ دل نہیں تو نورِ عرفاں کیا جگہ پکڑے

بنے ہیں شیر کتے زینتِ آغوش میں ہو کر
وہ شکلِ مہر و مہ ہو جو نہیں کب ہے منعکس ہو کر

احباب نے طویل مضامیں وہاں پڑھے
میں نے تو بزمِ نعت میں اتنا ہی پڑھ دیا

لیکن مری زبان کا تھا حصّہ مختصر
بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

پیری و افسردگی سب کچھ سہی اکبر مگر

ظلم ہے تیری خموشی شوخیٔ گفتار پر

یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی چیخ پر

اور دین ہے کباب ضرورت کی سیخ پر

Huxley

نہ سُن تو قرآں کا وعظ بھائی خوشی سے تقلید ہکسلے کر
پھرے گا کیپوں میں آخر اک دن دیا سلائی کا بکس لے کر

فاقہ سمجھو نہ اِسے اسمیں ہے اسرارِ نہاں
نہ تجارت کا سلیقہ نہ عبادت سے لگاؤ

عالمِ دین جو ہیں وہ جانتے ہیں صوم کے سِر
یا گورنمنٹ کے دفتر میں ہیں یا قوم کے سر

اِس نظم کا نقطہ نقطہ ہے منبعِ نور
اوجِ ملکوت کا ہے عالم ہر لفظ

ہر حرف سے ہے تجلّیٔ حق کا ظہور
ہر بیت اقبال کی ہے بیت المعمور

اللہ رے انقلابِ طرز و مذاقِ مشرق
لیلیٰ کا ناز رخصت - اسکول مسٹرس ہیں

حافظ کے شعر کیسے سب پڑھ رہے ہیں لیڈر
سودائے قیس غائب اب وہ بنے ہیں ایڈیٹر

تا توانی در جہاں طالب مشو مطلوب باش
مذہبے در گردنم افتاد اکبر چارہ نیست

با معاشر سہل باش و نیک باش و خوب باش
با ہمہ آزاد گیہا بایکے منسوب باش

اک شاعری وہ ہے جو بڑھاتی ہے عقل و ہوش
ارشاد ہو تو قسم سوم کو بھی کر دوں عرض
لیکن کوئی بھی قسم ہو اچھا ہے شعر اگر

اِک شاعری وہ ہے جو دلاتی ہے دل کو جوش
اِک شاعری وہ ہے کہ جو ہے صرف واہ نوش
محفل کو غالباً ہمہ تن پائیے گا گوش

پیش آئے ہمیں امورِ عادت کے خلاف
اولاد کو غالباً یہ تکلیف نہ ہو

پایا اُنہیں ہم نے اپنی راحت کے خلاف
وہ خود ہی ہیں مورثوں کی خصلت کے خلاف

آنے والے نہ رہے انجمن دل کی طرف ✿ کوئی کالج کی طرف ہے کوئی کونسل کی طرف

بل کھاؤ ہزار خواہ چھاؤ منطق ✿ نیچر تو ہے اپنی اصل ہی پر عاشق
لکھی ہے صحیح اک فرنگی نے یہہ بات ✿ مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق

وسعت ہو زبان کی ادھر جھک ✿ متروک کو دیکھ کر تو مت ترک

ہے لیڈر قوم کون جب ہو یہہ سوال ✿ کہدو اکبر کہ بس بر ٹش اقبال

فطرت سے الگ اگر تمھارا ہے خیال ✿ تاثیر کچھ اسمیں ہو یہہ ہے امر محال
گو طرز بیاں پہ شور تحسین اٹھے ✿ مقبول نہ ہونگے پیش ارباب کمال

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل ✿ کہ آخر گھی گھر میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے ✿ مری انجمن بھی اسی رخ سے چلے
کسی سمت کونسل کی ہے دلپر چوٹ ✿ عوض لٹھ کے آپسمیں چلتے ہیں ووٹ
کسی سرمیں ہے لیڈری کی ہوس ✿ کوئی شہد اسپیچ کی ہے مگس
کوئی شوق تحقیق میں غرق ہے ✿ کوئی راہ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضمون نگاری کی دھن ✿ کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق ✿ کسی کو نمود و نمایش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں ✿ سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
جدھر بحر ہستی بہائے بہیں ✿ خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات ✿ مسلماں کو ہے فرض ادھر التفات

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہوئے جمع بہر دعا و سلام ✿ کلیسا میں انگریز عالی مقام
کہا میں نے ہوں میں تو مسجد سے دور ✿ تو گرجا میں انکا ہے کیوں اژدحام

۵ حسب فرمایش و اصرار اڈیٹر نظام المشائخ برائے رسول نمبر

خدا جانے آئی کدھر سے صدا
کسے را کہ اقبال باشد غلام

کہ اے بے خرد مسلم ناتمام
بود میل خاطر بہ طاعت مدام

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر حرف زباں نہیں ہے شمع اخلاص

گویا کہ شبیں بہت اہل ورد میں کم
جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

صوم ہے ایماں سے ایمان رخصت صوم کم

قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم کم

جلوۂ قدرت باری ہے سدا پیش نگاہ
کوئی ماضی میں ہے اُلجھا کوئی مستقبل میں

نہ حکومت کا ہے ماتم نہ غم مال سے کام
صوت سرمد یہ مجھے تو ہے فقط حال سے کام

مغالطے میں پڑے ہیں ہمارے اہلِ وطن
قوام قوم کا مذہب ہی ہے زمانے میں

کہ قوم کے لئے مذہب کا کوئی کام نہیں
کہاں کی قوم جب اسکا کوئی قوام نہیں

بُت کی سی اگر کہیں تو اللہ کہاں
خاموش رہیں تو دل کو بے چینی ہو

اللہ کا نام لیں تو پھر واہ کہاں
بھاگیں تو سکت کسے ہے اور راہ کہاں

قول ملحد ہے کہ نیچر ہو گیا میرا معین
ہم خموشی سے تماشا دیکھتے ہیں دہر کا

اور فلک کی ہے صدا کہ اللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن
دیکھنا ہے کون سچ کہتا ہے دنیا یا کہ دین

کمیٹیوں میں ہے رونے کا خوب شوق انھیں
بغیر طاعتِ حق ہے محال یک جہتی

مگر نماز و دعا کا نہیں ہے ذوق انھیں
خدا کرے کہ نظر آئے تحت و فوق انھیں

دخل انکو نہیں عشق و محبت کے فنوں میں
بے شمع کے پروانے ہیں واللہ یہ اکبر

بے ہمت و بے سوز یہ جانیں ہیں تنوں میں
رقصاں ہی انھیں دیکھ لو بس انجمنوں میں

اسیر بحث کب باغیرت و ذی ہوش رہتے ہیں
معانی گرم رکھتے ہیں جنھیں اللہ اکبر کے
عجب میدان ہے جسمیں ہے مشق سعئ بیحاصل

مٹا دیتے ہیں مٹ جاتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں
انھیں سنیو تمہیں اے اکبر دل پر جوش رہتے ہیں
عجب بستی ہے جسمیں مرد ناحق کوش رہتے ہیں

یہ سمجھے جو صرف طاعت و روحانیت سے بحث

مجھکو ہنوز اُمید سے بیگانگی نہیں

مکر و فریب و ظلم یہ سب اُس میں ہیں مگر
شیطان میں دلیری و مردانگی نہیں

کہنا مجھ کو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں
دینی علموں کی موج کو بہنے دیں
شبلی کی دعا بتانِ مغرب سے یہ ہے
ندوہ کو حضور قبلہ رُخ رہنے دیں

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں
قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیال فردا کس کو
جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

اِس پیڑ میں خوب ہی کٹہل آئے ہیں
ہر شاخ میں پانچ سات پھل آئے ہیں
اکبرؔ نے کہا کہ ہم غریبوں کے لیئے
نیچر کی طرف سے پارسل آئے ہیں

نہ ہوں جو شعر مرے آپ کو پسند نہیں
پسند فرض نہیں اور مجھے گزند نہیں
بجز خطاے نظر۔ اور سہوِ کاتب کے
کچھ اعتراض اگر ہیں تو سود مند نہیں
حدود میں نے معیّن کئے ہیں اپنے لئے
اور اُن حدود کے اندر کہیں میں بند نہیں

یہ قولِ کفر جو مانو بھی تم بفرضِ محال
کہ روح ہیچ ہے اور بعد مرگ کچھ بھی نہیں
خدا کا نام ہے جب بھی بشر کو اک نعمت
وگرنہ دل کے لئے ساز و برگ کچھ بھی نہیں

آپ کی کل ہیں مراسوت تو کتنے کا نہیں
کفر کے ساتھ میں اخلاق برتنے کا نہیں

وہ کبھی مجھ کو جواب نامہ لکھتا ہی نہیں
جب گلا کرتا ہوں کہہ دیتا ہے پہونچا ہی نہیں

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں
مذہب[۱] کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشے کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے تجھ کو صبر
کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

میں نے کچھ اختلاف کیا آپ سے اگر
غصّہ عبث ہے آپ کا نوکر نہیں ہوں میں
اے قبلہ مجھ پہ آپ چڑھے آتے ہیں یہ کیوں
ممبر اِس انجمن کا ہوں۔ منبر نہیں ہوں میں

روپے کو اپنے کریں صرف وہ جو غلّے میں
تو کام آئے غریبوں کے اِس محلّے میں
یہ بات مجھ کو تو اے ہاشمی پسند نہیں
کہ صرف دولتِ عشرت ہو گیند بلّے میں

ڈیپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُس نے غلّے میں
برہمن نے کہا یہ شاخ پیدا اور ایسے گملے میں

۱؎ آپس کی خانہ جنگی مراد ہے نہ کہ وعظ مذہب ۱۲

کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اسقدر حیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
کہا مہدی نے ہمکو تو مزے سے اپنے مطلب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مفسد ہے

تمھارے واسطے یہہ کیا محل رشک وغیرت ہے
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں
ابھی یہہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں
محبت ہو نہو انکو اُسے اس کی یہاں کب ہے
کہا مہدی نے ہاں اسبات سے بندہ بھی واقف ہے

مفقود ہے گو کہ آج یارونیشن
مانگو خالق سے حضرت جارج کی خیر

صد شکر ہوا ظہور کارونیشن
تم بھی ہو جاؤ گے ٹوماروینشن

حضرت خود واقعات تصنیف کریں
فطرت پہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو

ہم بیٹھ کے انجمن میں تعریف کریں
بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

صلح رہی اب نہ گوارا ہمیں
کام تو جو کچھ ہے وہ ہے آپ کا
درد کسی کا نہ رہا دل میں اب
قوم کی تفریق میں ٹکڑے اُڑے
آئینہ ہے حسرت دنیا کا حال
جلوہ دکھانے کا انھیں شوق ہے

سلف گورنمنٹ نے مارا ہمیں
نام ہی نے صرف اُبھارا ہمیں
خوب دیا تم نے بھپارا ہمیں
ملک سے اب کیا ہے سہارا ہمیں
یاد ہیں اسکندر و دارا ہمیں
کاش مبارک ہو نظارا ہمیں

غضب کی آتش فشاں ہوا ہے پڑے ہیں بستر پہ جل رہے ہیں
عرق میں ڈوبے ہوے سراپا تڑپ رہے ہیں اُبل رہے ہیں

مٹاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اچھا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو انپر ہے جو اُس مٹنے پہ مرتے ہیں

انجینیری نہ آئے تو ایجاد کیا کریں
خامے سے کام لیتے ہیں بیکار عقل ہے

قائم عروج قوم کی بنیاد کیا کریں
یا ترجمہ ہے یا تو کتابوں کی نقل ہے

یہہ تو مشکل ہے کہ آپ اسپیچ دیں ہم چپ رہیں
ہاں مگر اسمیں نہیں کچھ عذر جو کہیے کہیں

مرد جنٹلمین ہو کر یار ہے ہیں جب عروج
بیبیاں پھر گھر میں بیچ کس پرسی کیوں سہیں

مطمئن رہیے نہ رہ جائے گا عورت کا حجاب
چادرِ قومی کی آخر کھلتی جاتی ہیں تہیں

اک طرف دامِ ترقی اک طرف موجِ شراب
ہر طرح حاضر ہیں ہم کہئے پھنسیں کہئے بہیں

اگر مذہب خلل انداز ہے ملکی مقاصد میں
تو شیخ و برہمن پنہاں رہیں دیر و مساجد میں

ترقی کی تپیں ہم پر چڑھائیں
رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبن
گھٹا کی دولت آئینچیں بڑھائیں
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھائیں

مری طرزِ فغاں کی بوالہوس تقلید کرتے ہیں
خجل ہونگے اثر کی بھی اگر امید کرتے ہیں

جہاں کے انقلاب نکلے بھی کیا کیا رنگ ہوتے ہیں
بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے دنگ ہوتے ہیں

گذر اِنکا ہوا کب عالمِ اللہ اکبر میں
بیلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ہمیں تو چاہتے ہیں کھینچنا خود ہمسے کھنچتے ہیں
یہ انکی پالیسی کے باغ کس پانی سے سینچتے ہیں

نہ اب وہ طشتِ زریں ہیں نہ وہ چاندی کے کلسے ہیں
کمیٹی خوانِ نعمت ہے فقط لفظوں کے جلسے ہیں

فلک پر شانِ عظمت سے ستارے جگمگاتے ہیں
خدا کی سلطنت کی جوبلی ہر شب مناتے ہیں

یہی نظارہ ہمکو محو رکھتا ہے سدا اکبر
فرشتے بے ٹکٹ یہ منظرِ اعظم دکھاتے ہیں

قدم انگریز کلکتے سے دہلی میں جو دھرتے ہیں
تجارت خوب کی اب دیکھیں شاہی کیسی کرتے ہیں

خدا ہی کی عبادت جنکو ہو مقصود اے اکبر
وہ کیوں باہم لڑیں گو فرق ہو طرزِ عبادت میں

فلک کو ضد ہے کہ منت کروں لئے راحت
مجھے یہ ہٹ ہے کہ اپنا سہوں اور اُف نکروں

وہ کہہ رہا ہے کہ ذلت سہو تو جاؤ چمک
مری یہ آن کہ ایسی چمک پہ تف نہ کروں

پیارا ہے فقط اللہ کا نام آرام اُسی سے روح کو ہے
اکبر یوں تو حوادث بیحد ہیں دنیا میں بہت افسانے ہیں

عجب کیا شیخ برگڈ میں جو مشتاقِ غلامی ہیں
ہمارے اونٹ صاحب خود ہی کے سر چڑھے حامی ہیں

غیر کو نامے میں وہ مائی ڈیر لکھتے ہیں
مجھ سے بیگانہ وشی ہے مجھے سر لکھتے ہیں

ہوٹل سے بھلا پرہیز تمھیں اے پنڈت جی مہراج کہاں
سچ بات کہی جس نے یہہ کہا جب لاگ لگی تب لاج کہاں

نظروں میں بسا ہے رنگ وہی آنکھیں وہی گلشن ڈھونڈھتی ہیں
موسم وہ نہیں ہے اے اکبر جو بات تھی کل وہ آج کہاں

سر جھکا کر اُن کی سیوا کر تو گردن کو نہ تان
وزن لا غلطی پہ نازاں ہیں مرے ارکانِ شعر

برہمن یورپ کو مان اور ایشیا کو سودر جان
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

اِک برگِ مضمحل نے یہہ اسپیچ میں کہا
اچھا جواب خشک یہہ اک شاخ نے دیا

موسم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمھیں
موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

اکڑ دیے ہوے ہیں آپ سچ مچ حق پرستی میں
تو کرتے رہیے کام اپنا اِنھیں حالاتِ پستی میں

آپسمیں رہنا صلح سے خوئے بنی آدم نہیں
اکثر اسی پر ہے عمل یا تم نہیں یا ہم نہیں

بیان اپنی مصیبت کا تھا مجھے منظور
ہوا جو ٹائی ٹانک لہ غرق کہہ دیا میں نے

خیال تھا سو ے تشبیہ جستجو میں تھیں
کہ دل مرا تھا اور اُس دل کی آرزوئیں تھیں

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد

جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کونسل میں اگر پرسش نہوئی مغموم نہ تم اے یار رہو
اللہ بلانے والا ہے مرنے کیلئے طیار رہو

الاپو مغربی شعر میں کوئی راگ
جنونِ لیڈری کا دور ہے یہہ
خموشی اور قناعت ناروا ہے

اُٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو
فلک کو کہہ ہے بگڑو اور بگاڑو

کیوں جلا رکھا ہے اس دور نے بیری میں مجھے
کہا گردوں نے نہیں غیر ضروری یہہ بات

ستم غیر ضروری یہہ فلک کا دیکھو
اپنے مٹنے کا بتدریج تماشا دیکھو

۴ | ہادی قوم بنو۔ قوم کے مہمان بنو
خود تو پہلے مگر اے یار مسلمان بنو

لہ جہاز میں پندرہ سو یورپین عاید غرق ہو گئے۔ مرد عورت بچے ۱۲

ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہوا انکا ہم سفر
موجوں کا اے حباب نہ دے تو ابھر کے ساتھ

فلسفے میں کیا دھرا ہے گھر کا ہو یا لندنی
دشمنِ دانا سے بچ پہچان لے نادان دوست
سعیٔ کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ
صرف لفاظی سے ان روزوں نہیں ملنے کی بھیکھ

دلادے ہم کو بھی صاحب سے لائلٹی کا پروانہ
اڈیٹر بول اُٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹو کو
مُبصِّر لکھ رہے ہیں وضعِ ملّت کے تغیر پر
بہت مشکل ہے نبھنا مشرق و مغرب کا یارانہ
مبارک شیخ کو نانِ جویں کے ساتھ یہ قرأت
یہ یونیورسٹی کا مسئلہ کیا کم تھا اے گردوں
قیامت تک رہے سید ترے آنر کا افسانہ
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتبخانہ
نبھی یہ دُھن تو بس اب ہو چکا مسلم کا اترانا
ادھر صورت فقیرانہ اُدھر سامان شاہانہ
ہمیں تو دیر میں پرشاد کھانا اور بھجن گانا
کہ چھیڑا تو نے ہم میں ٹرکی و اٹلی کا افسانہ

یہ قسمت شیخ جی کی ورنہ اکبر
کجا وہ بُت کجا آمنت باللہ

مرشد کی طلب میں جو میں اُٹھا تو یہ بولے
مُردہ سمجھ اُنکو کہ جو پہونچے ہوں خدا تک
اِک پیر ڈِنر خوردہ و ہر سمت دویدہ
مُرشد ہیں وہی جو ہیں گورنمنٹ رسیدہ

مجھ کو حسرت نہیں اسکی کہ کریں یاد مجھے
مسمریزم کی ہو تدبیر تو شہزادوں ہی پہ مشق
یاد آئی بھی تو کیا آئی جو تحقیر کے ساتھ
چھوڑ دیں مجھ کو وہ آنکھیں مری تقدیر کے ساتھ

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگھ
لذت اِسمیں ہے کہ ملجائے ترے دلمیں جگھ

ہر ایک مسلم پکارتا ہے وہ خواہ انسی ہو خواہ جنی
خدا کی طاعت سے جو ہے باہر فلیس منی فلیس منی

الحاد کی بنیاد ہے جس چیز نے ڈالی
اکبر کی فغاں کو نہ کہو خام خیالی
دشمن اُسے سمجھیگی نظر دیکھنے والی
فرماتے ہیں رو رو کے یہ خود حضرتِ حالی

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

شیطاں ہے دل جو نورِ ایماں نہ رہے
دشمن ہے زباں جو وردِ قرآں نہ رہے

کہتی ہے یہہ سٹری بہ آوازِ بلند
تم کچھ نہ رہے اگر مسلماں نہ رہے

نہایت سچ یہہ قولِ میرزا سلطان احمد ہے
کہ مذہب خود دعا ہے پھر دعا سے کیوں تمھیں کد ہے

روز افزوں ہے بلا شبہ برِشِش اقبال
اپنا اقبال مگر اسنے جو سمجھا ہے اِسے
جو خلاف اسکے تصور کرے وہ وہمی ہے
یہہ نئی روشنی کی سخت غلط فہمی ہے

بہت ہے ذکرِ مذہب کمپ میں ذکرِ خدا کم ہے
فغاں کا شوق بیحد ہے مگر ذوقِ دعا کم ہے

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہہ پردہ ہند میں
پردہ در کہتا ہے اب اِسکی ضرورت ہی نہیں
خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھیگا کبھی
مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
میرزا یانہ ادا تھی سلطنت کی بات تھی
خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

دونوں کو اگرچہ ہے طلب آنر کی
بنیاد وہ اپنی چاہتا ہے مضبوط
ہندو۔ عزّت طلب ہے زر کی خاطر
رخ اُنکے جدا ہیں اسکی علّت کیلئے
بے چین ہے یہہ نمودِ حالت کیلئے
مسلم کو طلب ہے زر کی عزت کیلئے

احسان نہ کچھ الحاد کا ہے امداد نہ کچھ شیطان کی ہے
اکبرؔ کی دلیری حق پہ یہہ ہے یہہ زندہ دلی ایمان کی ہے

وہ نیو قوم کی ہے نہ پشتہ نہ بھیت ہے
ہنگامۂ طرب نہیں یہہ شورشِ رقارم
بگڑے جو بن رہے ہیں یہہ دنیا کی ریت ہے
رنج و محن کا ساز ہے چکّی کا گیت ہے

ممدوح شرق و غرب شمال و جنوب تھے
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تمسے کہ کیسے ہیں
تعریف تھی ہنر کی بری از عیوب تھے
ہاں اسمیں شک نہیں ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

نقشِ ماضی منظرِ بے معنی و مفہوم ہے
بہ رہا ہے لاکھوں ہی موجوں میں یہہ بحرِ فنا
مصلحت فطرت کی ہے یا ذہن کا مقسوم ہے
وِرد کے قابل فقط یا حیُّ یا قیُّوم ہے

اِس بات میں ہے اِک رمزِ نہاں اِس قافیے میں چالاکی ہے
جب آہ و بکا کا ذکر نہ ہو تو وہ مجلسِ بے باکی ہے

مجھ گدا کو کر دیا رخصت جو دے کر عطر پان
فاقہ تو ٹوٹا نہیں - ہاں عزّت افزائی ہوئی

مرکزِ دل بزمِ مشرق میں کوئی ملتا نہیں
ہر طبیعت مغربی چکّر میں ہے آئی ہوئی

مذہب و وضع و زبان قوم کا کسکو خیال
جب اکابر کی نظر آنر کی شیدائی ہوئی

نظمِ اکبر کو سمجھ لو یادگارِ انقلاب
یہہ اُسے معلوم ہے ٹلتی نہیں آئی ہوئی

نئے مسلم کا اب کوئی نہ ماخذ ہے نہ مرکز ہے
یہہ ہے کے دن کی سروس اور وہ کیتنک معزز ہے

جو مستی اِس سے پیدا ہوگی دختر ہوگی وہ کسکی
یہہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمھاری دخترِ زر ہے

نہ پھیلا پاؤں تو اتنا حیاتِ چند روزہ میں
سمجھ لے قبر میں تیرے لئے جا صرف دو گز ہے

نہیں ہے کچھ شدنی بے اصول رادوں سے
خدا بچائے مجھے اِن زمانہ زادوں سے

وہ وقعت اُٹھ گئی جب دل سے آئینِ حجازی کی
امامِ قوم بننے کو ضرورت کیا نمازی کی

بتوں سے اب تو ہیں سرگوشیاں واعظ کی محفل میں
نہ کوئی مجلسی کی بات سنتا ہے نہ رازی کی

ٹھیک پڑھ سکتا نہیں کہتا ہے ناموزوں مجھے
خود زبانِ معترض ہی خارج از تقطیع ہے

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے
مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے

پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں
آخر یہہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے

مادہ نہیں اتنی مضطرب نر کے لئے
آمادہ ہیں جس قدر وہ آنر کے لئے

نو حصے تم اپنی نوکری کو دے دو
دسواں حصّہ تو ہو پیمبر کے لئے

ہوش آیا ہے تو ہنگامۂ ہستی بھی سہی
حسِ لذّت ہے طبیعت میں تو مستی بھی سہی

اصل مقصود ہے خالق کی پرستش لیکن
صورت اچھی ہو تو انسان پرستی بھی سہی

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں
کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اسکا کہاں ہے

نیچر ہی سے ابھرا ہے ترا قامتِ رعنا
نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

بے دینوں کو جوششِ مستی کیا ہے
بندوں میں یہہ خود پرستی کیا ہے

کہتی ہے فلک کی گردش اِن سے
تم کیا ہو تمھاری ہستی کیا ہے

کہتے ہیں وہ کہ اکبر کچھ باولا ہوا ہے
مذہب میں بات کیا ہے مسجد میں کیا دھرا ہے
اِک روز لاٹ صاحب سے بھی تو پوچھ دیکھیں
گرجا میں کیا دھرا ہے جتنا جو وہاں پڑا ہے

مجھ کو بے دل کردے ایسا کون ہے
یاد مجھکو اَنتُمُ الاَعلَونَ ہے

عامل ہے ہوا باغ کی معمول ہے مٹی
مٹی ہے کبھی پھول ۔ کبھی پھول ہے مٹی

ہے جلوۂ مہر پرتوِ ماہ تو ہے
سینے میں تمھارے قلب آگاہ تو ہے
ظاہر جو نہیں ہے حامئ دیں کوئی
بیدل کیوں ہو رہے ہو اللہ تو ہے

رخصت وہ ہوا جو آیا تھا وہ جائیگا جو آیا ہے
حیرت ہو تو کیا صدمہ ہو تو کیا دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے

سینے پہ بحر حسن کے سونے کی چین ہے
سیمیں ہیں دو حباب طلائی یہ چین ہے

زمانے میں مجھے خواہش نہ اُسکی ہے نہ اِسکی ہے
سرورِ طبع کو کافی فقط اِک جامِ وسکی ہے

حسب فرمایش اڈیٹر نظام المشائخ دہلی

کیونکر کہوں طریقِ عمل اُنکا نیک ہے
جب عید میں بجاے سوئیوں کے کیک ہے
مجبور ہوں مگر نہ ملوں اُن سے کس طرح
ابتک وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ایک ہے

اکبر کی صاف گوئی کو میں نے کیا پسند
کل کہہ رہے تھے یار میں اپنے کلیگ سے
اللہ سے لگائے رہیں تو جناب شیخ
ہم نے تو دل کی لاگ لگائی ہے لیگ سے

۴ موٹر سے نہ گردن کبھی اے یار نکالی
تو نے نہ مری حسرتِ دیدار نکالی

بتکدے میں جو ملکنتا تھے وہ بالم ہو گئے
تھے جو کافر وہ حرم میں جانِ عالم ہو گئے
قصد یہ تھا کردوں اِس مطلع کی شرح مختصر
لکھنے کو بیٹھا جو میں کالم کے کالم ہو گئے

شمشیر زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے
شمشیر کو چھپائیے زبان کو نکالئے

نقد و جنس انجمنِ قوم میں موجود نہیں
یاں تو نقشوں کی فقط خانہ پری ہوتی ہے

دارالاسلام اب تو شیدائے بتانِ غرب ہے
اب انھیں کے زیرِ سایہ الکا دار الحرب ہے

کشتِ دل کو نفع پہونچے اشک ایسی چیز ہے
دیدۂ گریاں پہ واٹرٹکس کی تجویز ہے

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت
وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں جاے پیکر حسبِ دستور
تلاوت کرتے ہیں وہ پانیر کی

جب نئے عشوؤں کے نقشے زیبِ ٹیبل ہو گئے
بیسیوں بندے خدا کے آنرایبل ہو گئے

ہمارے شیخ شرعی زندگی بے سود کاٹینگے
مرے و نصیر مین بھی انٹرسٹ اب وہ نہیں لینگے

اب کہاں نشو و نما پائے نہالِ معنی
کس زمیں پر دلِ پرجوش کی بدلی برسے
بزمِ حافظ ہے نہ میدان ہے فردوسی کا
قوم کو کام ہے باضابطہ لٹریچر سے

اُس بُت کی محبت نے چھڑایا ہمیں سب سے
باقی رہی اُلفت نہ عجم سے نہ عرب سے

لطفِ امروز اور ہے اور فکرِ فردا اور ہے
راہِ دنیا اور ہے اور راہِ عقبیٰ اور ہے
نوجوانوں سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف
چشمِ بینا اور ہے چشمِ تماشا اور ہے

بادہ و رندی کا ذکر اب شعر میں بے سود ہے
کیا ضرورت نقل کی جب اصل ہی موجود ہے

اُبھرا ہے رنگ سودا دیوانگی ہری ہے
ہے جوشِ موسمِ گل جو پھول ہے پری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظِ عبرت
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

کعبے میں جلوہ گر وہی دیر میں مستتر وہی
لیتے ہیں ہم خدا کا نام کہتے ہیں رام رام بھی
بولی وہ مس کہ شیخ جی پہلے مرے حریف تھے
اب سمجھ انکو آ گئی دوست بھی ہیں غلام بھی

مہمانِ فلک کہاں سکون پاتا ہے
آسودہ جو ہیں اُنھیں بھی ٹہلاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
ظاہر یہ ہے کہ سیٹ دوڑاتا ہے

منظور اے دل ہماری عرضی ہوگی
اُسوقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
اِس دورِ فنا میں ہوگی لیکن جو بات
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

بہتر یہی ہے پھیر لیں آنکھوں کو گائے سے
کیا فائدہ ہے رونے کی اِس ہائے ہائے سے

کمزوریوں کو روک دیں زور رونکو کیا کریں
منھ بند ہوسکے گا مسلماں شریف کا

مسلم مٹے تو فوج نے گوروں کو کیا کریں
چسکا مگر نہ جائیگا صاحب سے بیف کا

دنیا ہی اب درست ہے قایم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

عاشقوں کے بھی معیّن ہوگئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہہ اے جانِ جاں شاہی گئی

بجا ہے جائے جو مٹ یونیورسٹی کے لئے
جنونِ قوم کو جائز ہے اس پری کے لئے

قایم یہی بوٹ اور موزا رکھئے
ان باتوں پہ معترض نہ ہوگا کوئی

دل کو ستاق مس ڈسوزا رکھئے
پڑھئے جو نماز اور روزہ رکھئے

نغمۂ قومی کا مطرب آجکل ہے ہرسٹی
دین کی اُلفت دلوں سے انکے یونہیں گر مٹی

مآل ہے ذکرِ ترقی سم ہے یونیورسٹی
مسلم اُٹھ جائینگے رہجائیگی یونیورسٹی
خود جو اُنمیں نقص ہو تو ہے یہہ اے اکبر آہ جوتی

ہے ضروری لیڈروں میں غیرت و تقویٰ دین
فرق آیا رنگ و بو میں ہوا کو ترس گئے

ایسے بھیجے کہ ہند میں مسلم اُبس گئے

کالج و صیحپر و حکام ہمہ در کارند
طاعتِ حق بھی مگر شرط ہے روٹی جو ملے

متا تو پلے سے بکف آری و کنی عُہدہ پری
شیخ سعدی نے کہا ہے کہ بغفلت نخوری

دیکھ آئے قوم سنتے تھے جسے
بار آور پارک میں یہہ ہونگے کیا

چند لڑکے ہیں مشن اسکول کے
گملوں ہی پر رہگئے ہیں پھول کے

ترقی ہوا آہی شاہدِ مغرب کے جوبن کی
نہ خدا ہے نہ بندہ ہے فقط مغرب کا خندا ہے

عجب خوش فعلیاں ہیں آجکل شیخ و برہمن کی
اگر چندے یہی حالت رہی شیخ و برہمن کی

۳ کالج ہے دنیوی فوائد کے لئے
مسجد میں یہاں جو مولوی صاحب ہیں

قایم ہے یہہ ایسے ہی مقاصد کے لئے
کپتان ہیں مذہبی قواعد کے لئے

۴ کہتا ہوں تو تہمتِ حسد ہوتی ہے
۴ دنیا طلبی ضرور ہے انساں کو

خاموشی میں دل کو سخت کد ہوتی ہے
لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے

لہ افسوس ۱۲

ایام شباب اور موسم گل تقویٰ کی یہاں کیا ہستی ہے — ہر عضو بدن ہے لذت جو ہر قطرۂ خوں میں مستی ہے

خیال آتا ہے اکثر اسے خدا کیا ہونیوالا ہے — قریب المرگ ہیں ہم پر بھی کوئی رونیوالا ہے

جسکو خدا سعید کرے وہ سعید ہے — روزے ہوئے ہوں جسکے قبول اُسکی عید ہے

قوم کیسی کسکو اب اُردو زباں کی فکر ہے — غم غلط کرنا ہے بس اور آب و ناں کی فکر ہے
ایک پر اجماع اکثر کا بہت مشکل ہے اب — سب ہیں مضطر اپنے مُنہ میٹھو میاں کی فکر ہے
ہو نہیں سکتی مرتب کوئی بزم سامعیں — ہر زباں کو ایک تازہ داستاں کی فکر ہے

عزم کر تقلید مغرب کا ہنر کے زور سے — لطف کیا ہے لدنئے موٹر چہ زر کے زور سے
غیر ملکوں میں ہنر کو سیکھ تکلیفیں اُٹھا — روکتے ہیں وہ اگر اپنے اثر کے زور سے
نسخۂ آمنتُ باالمغرب سے چھکے نیچری — بابوؤں کا کام نکلا شور و شر کے زور سے
نغمۂ شب پر حریفوں کو نہایت ناز ہے — وہ نہیں واقف مری آہِ سحر کے زور سے

کالج بنا عمارتِ فخر النسا بنی — شکر خدا کہ ملگئے آخر بنا بنی ۴
بے پردگی کی ہو نہ یہہ در پردہ اِک بنا — جنکو یہہ ڈر ہے اُنکی تو جانونپہ آبنی ۴
لیکن نگاہِ نبض شناسان وقت میں — امراض قوم کے لئے عمدہ دوا بنی ۴

طلب اپنی نہ بڑھنے دے ضروری رزق کی حد سے — بچا لیگی قناعت تیری تجھکو کفر کی زد سے

دم تم میں ہے خدا ہی کی حمد و سپاس سے — دینِ خدا جدا نہ کرو اپنے پاس سے ۴
عہدے جو سو پچاس کو اچھے ملے تو کیا — قائم نہ ہوگی قوم کبھی سو پچاس سے ۴

کیوں خدا کے باب میں بحثوں کی اتنی دھوم ہے — ہست میں شبہ نہیں ہے حیثیت نامعلوم ہے
اس تغیر پر بھی ہے ذہنوں میں قائم کوئی چیز — اور وہ کیا ہے۔ فقط یا حی یا قیوم ہے

گئے وہ دن کہ ہم سب سے بڑھے تھے ہم سے سب کم تھے
ہمیں اب کچھ نہیں ہیں اک زمانے میں ہمیں ہم تھے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے — مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

روح کا پہچاننا سب سے بڑا سائنس ہے
اسلئے ہادیٔ دیں مطلوب جن و انس ہے

موسمِ گل میں خبر شورِ عنادل کی کہی
خوش رہے بادِ صبا اسنے مرے دل کی کہی

اشعارِ غیر سے تو مجھے کم سند ملی
من گفتم و محاورہ شد سے مدد ملی

عشاق وقت مرگ قریں کیوں ہوں یاس سے
خوش ہیں نجات مل گئی بارِ حواس سے

یہہ کیا تم نے کہا اب کوئی ملجا ہے نہ ماوی ہے
خدا کے فضل سے بھائی علیگڈھ ہے آمادہ ہے

ذوقِ لقائے حق سے دل کو تمہارے بھر دے
باطن کی ہے یہہ خوبی مشتاق مرگ کر دے

ہو خیر یا رب اکبرِ آشفتہ حال کی
سرجن رقیب اور دوا اسپتال کی

دل میں قوت ہے کچھ نہ جان میں ہے
زندگی اب فقط زبان میں ہے

جانتا ہوں ہو رہا ہے جو نہ ہونا چاہیے
بحث یہہ ہے کب تلک اس غم میں رونا چاہیے

اظہار مصیبت میں اکبر تجھے کیوں کد ہے
اب بہرِ خدا چپ ہو رونے کی بھی اک حد ہے

جنھیں نہیں فکر آخرت کی یہہ بن سنور کر ادھر گئی ہے
اسی سبب سے عروسِ دنیا مری نظر سے اتر گئی ہے

اظہار اس معنی نازک کا الفاظ کی حد سے باہر ہے
ہر پھر کے سمجھ ہے گرد اسکے جو حدِ خرد سے باہر ہے

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے
اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے
دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہ مستحق داد
منزل سے اسکو کام ہے اسکو کلیل ہے

گل تصویر کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے
مرے صیاد نے بلبل کو بھی الو بنایا ہے

تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اک دامِ بلا ہے
اے کاش کہ اس عہد میں ہم بانجھ ہوتے
یہہ آپ کی برکت ہے کہ پیچیدگیاں ہیں
بہتر تھا کمیٹی میں اگر آپ نہ ہوتے

یہہ جو ہنگامۂ تزئینِ عیش و کامرانی ہے
تماشا غافلوں کا آج ہے کل اک کہانی ہے

مداحوں کو خوش ہو کے تو کیا دیکھ رہا ہے
جو حالتِ اصلی ہے خدا دیکھ رہا ہے

بانیٔ طرزِ نو کے طریقوں کے مُتبّع
البتہ اُن بناؤں سے جنکے لئے ہے سعی

خلقِ نکو نہ چھوڑینگے اولاد کے لئے
کچھ جال چھوڑ جائینگے صیّاد کے لئے

ہم اظہارِ خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے
خدا کے باب میں منطق کو پھر کیوں ہیچ تگاپو ہے

مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے
جہاں عشوے ہیں فطرت کے فقط اور عالمِ ہو ہے

گردوں کا نہ کر شکوہ اچھی نہیں خود غرضی
اکبر نے کہا واپس لیتا ہوں میں ہر خواہش

ہر حال میں پڑھ الحمد اللہ کی جو مرضی
الحمد رہی قائم منظور ہو یہ عرضی

زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے
وقت کے ساتھ ہی ہم بھی ہیں گذرتے جاتے

ہم میں وہ خوبی و نکوئی نہ رہی
تعلیمِ جدید سے ہوا کیا حاصل

پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
ہاں کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

شکلیں جو بنگئی ہیں یہ ذرّوں کا میل ہے
اِس روشنی میں خاک ہو نشو و نمائے شیخ

جھگڑے جو ہو رہے ہیں یہ فطرت کا کھیل ہے
زیتون کا نہیں ہے یہ مٹی کا تیل ہے

موعودہ ترقی سے خوشی کیوں نہو پیدا
خوش ہیں قلمی وعدوں پہ جو ڈوبے ہوئے ہیں

اُمید کے انجن کا بھپارا ابھی بہت ہے
انکے لئے تنکے کا سہارا ابھی بہت ہے

میں بہت اچھا ہوں جی ہاں قدر دانی آپکی
غیر پر پھر کیوں ہے اتنی مہربانی آپکی

ادکھیاں میں نے سنائی تھیں حریفوں کو فقط
شیخ بولے کہ میاں یہ تو بتاؤ ہم سے

شیخ کیوں کود پڑے اُن کو خجالت کیا تھی
تمکو اِس دیس میں پشتو کی ضرورت کیا تھی

مری سمجھ سے ہے باہر محیطِ بے مرکز
تمام قوم اڈیٹر بنی ہے یا لیڈر

ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی
سبب یہ ہے کہ کوئی اور دلگی نہ رہی

چھائی جاتی ہے مرے دل پہ اُداسی کیسی
ہمنشیں ہے یہ بڑی بات ذرا سی کیسی

کیا ملے داد سخن بنگلہ نشینوں سے مجھے
وہ سمجھتے ہی نہیں قدر شناسی کیسی

۴ قرآن کو زبان سے دل میں اتارئے
علمی نمود چھوڑ عمل کو سنوارئے
۴ چشم و زباں میں کیجئے پیدا اثر جناب
بعد اسکے بندگان خدا کو پکارئے

انگریز خوش ہے مالک ایروپلین ہے
ہندو مگن ہے اسکا بڑا لین دین ہے
بس اک ہمیں ہیں ڈھول میں پول اور خدا کا نام
بسکٹ کا صرف چور ہے لمنڈ کا چھین ہے

۴ حامی صبر و طاعت حیران و مضمحل ہیں
طماع غافلوں کی مضبوط پارٹی ہے
۴ رحمان کے فرشتے گو ہیں بہت مقدس
شیطان ہی کی جانب لیکن مجارٹی ہے

good day - good night

ضرورت کچھ نہ تھی اسکی کہ آپس میں بھی ہو جائے
سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے
حیات مذہبی سے بھاگنا تھا کھیل گڑیوں کا
کہاں کی قوم - ہاں کچھ بنگئے ہیں نازنیں گڈے

بعد مردن کچھ نہیں یہ فلسفہ مردود ہے
قوم ہی کو دیکھئے مردہ ہے اور موجود ہے
شیخ کالج چاہئے دیندار اور صاحب اثر
ورنہ کیسا ہی ہو عمدہ کورس وہ بے سود ہے

مجھ سے ہے عذر غیر کو کونسل کا ووٹ ہے
واللہ اس ستم کی مرے دل پہ چوٹ ہے
ترکیب صلح کل نہ بنی دل پہ چوٹ ہے
سب سے نبٹئے تو لیجئے کونسل کا ووٹ ہے

نقطۂ قومی پر بلا مرکز اکٹھا چاہئے
اسکے یہ معنی ہوے آپس میں لڑنا چاہئے

ٹائٹینک ٹکڑے ہوا ٹکرا کے آئیس برگ سے
دب گیا سائنس بھی آخر پیام مرگ سے

وہ دلی احباب وہ مسجد کے ساتھی اب کہاں
دشمنوں کے دشمنوں سے گپ اڑایا کیجئے
ٹھیکہ داروں نے کیا نیلام قومی روح کو
چھاؤنی میں اب فقط روٹی کمایا کیجئے
مر رہا ہوں مجھ کو بد خواہی کی قوت ہی نہیں
خیر خواہی آپ ہی ہر دم جتایا کیجئے
عیش کا بھی ذوق دینداری کی شہرت کا بھی شوق
آپ میوزک ہال میں قرآن گایا کیجئے

گناہوں سے نہ باز آئیگی اور بستی سے بھاگیگی
جہنم سے سوا طاعون سے یہ قوم ڈرتی ہے

لندن سے دہلی آئے ہیں دس یوم کے لئے
یہ زحمتیں اٹھائیں فقط قوم کے لئے

دیکھو حضور حاج ہیں کیسے خدا پرست
گرجا میں سر جھکا ہے دسمبر ہو یا اگست

رکھتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم
اے مدعیِ دینِ خدا شرم شرم شرم

بابو گریجویٹ ہیں کالی کے ساتھ ہیں
اک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں

بڑھتا رہا جو طاعت و مسجد سے یونہیں بیر
کچھ خاک میں ملینگے تو کچھ ہونگے جزوِ غیر

کہتے ہو تم جو ..... تو انھیں آتی ہے ہنسی
یعنے زبانِ شوق غلط لفظ میں پھنسی

..... کا پتا کہاں ہے وہ کہتے ہیں کون ہیں
مرکز سے ہیں جدا نہ سوا ہیں نہ یون ہیں

آنر کے ساتھ نامِ گرامی بھی لکھ گیا
لیکن ادھر سے خطِ غلامی بھی لکھ گیا

موقع کا ہے خیال نہ اب کانشنس ہے
ارشاد ہو غلط بھی تو اس کا ڈفنس ہے

ارشاد لاجواب تو قرآن ہی کا ہے
قانون بے مثال تو رحمان ہی کا ہے

وقعت تمھاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں
کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں

نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دین ہے
یہہ پانیر پری کی فقط اک مشین ہے

اک دلگی ہے کانگرس ہو کہ لیگ ہو
ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیگ ہو

طاعت سے نیکیاں ہیں تو نیکی سے عزتیں
شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں

وقعت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر
ممکن نہیں کہ پائیے پھل جڑ کو توڑ کر

اک برگِ گل کہیگا کہ ہم گل کے جزو ہیں
تم خود کو کیا کہوگے کہ کس کل کے جزو ہیں

لاٹھی بھلی ملی ہو اگر اس کی رگ سے رگ
بیکار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ

پھل پھول پتیوں پہ ہے تیری نظر نثار
جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہار

گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے
کانٹوں میں اب پھنسو کہ مٹن چاپ بن گئے

مانونگا میں یہہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں
پر بالارادہ دین سے کچھ دوریاں بھی ہیں

کلفت اسی کی مجھ کو ہے ہر آن ہر نفس
لاکھوں کی سدِّ راہ ہے دس بیس کی ہوس

گو اپنے ساتھ آپ کا ہڑا نہ لے گیا
اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں۔ فقط یہ تقاضائے muse میوز ہے
یاروں سے التجائے please excuse پلیز اکسکیوز ہے

ضمیمہ متفرقات

اُسے اکبر ہمارے دل کا تڑپانا نہیں آتا
کہ جس کو علم تو آتا ہے شرمانا نہیں آتا

رنگ ہی کچھ اور اب تو روز و شب کا ہو گیا
جس طرف دیکھو دگرگوں حال سب کا ہو گیا
اِس تغیر سے مگر اُسکو نہیں پہونچا ضرر
انقلاب آیا بھی اکبر پر تو رب کا ہو گیا

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا
مصیبت جھیلنا اور ہادیِ راہِ خدا بننا
مشینوں[1] سے لپٹ کر اسقدر البتہ ممکن ہے
بہ باطن خود گھسٹنا اور بہ ظاہر رہنما بننا

جب ایسی قوم ہے تو پیشوا بھی اُسکے ایسے ہیں
مثل سچ ہے کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے ہیں

جو حکم واعتصمو ہمکو ہے بحبل اللّٰہ
بتائیے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں
ادب میں دین کے اور مسجدوں کی صف میں ہے
کہ لیگ میں ہے وہ اور پانیر کے کالم میں

اسباب طرب یہاں وہاں سے لائیں
ہر طرح کا فرنیچر دکاں سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اِسکا علاج
انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

بگڑ جائے گی میری اُس بت کی اکدن
اِنَّ اِلٰی اَصْلِہٖ یَرْجِعُ کُلُّ شَیْءٍ[2]

بدن میں روح آجاتی ہے جب لیے گوری رنگت کے
تو لے انگلش پڑھے روزی بھی ملسکتی ہے نیٹو کو

بلینک ورس یعنی بلا قافیہ

احسام کے فنون کا کرتے ہیں خود عمل
اجرام کے علوم کا دیتے ہیں ہمکو درس
ہوتا ہوں معترض تو وہ کہتے ہیں واہ واہ
میں نے تو کر دیا ترا رتبہ بلند تر
از صحنِ خانہ تا بلبِ بام ازانِ من
وز بام خانہ تا بہ ثریا ازانِ تو

[1] کلیں [2] ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے ۱۲

خود فن حرب سیکھ رہے ہیں پریڈ پر
میرے لئے چمن میں شٹل[1] کاک کا ہے کھیل

اظہار ناخوشی پہ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھ
تیرا ہی شغلہ ہے بہت صاف و بے ضرر

آں اشترِ ضعیف و لکدزن ازانِ من
واں گربۂ مصاحبِ بابا ازانِ تو

ضمیمہ غزل

عبث بالکل ہے۔ حال دل کسی سے آجکل کہنا
بہت جوشِ طبیعت ہو تو جائز ہے غزل کہنا

فقط تعمیر کالج پر میں پھولوں یہ نہیں ممکن
مبارک آپ ہی لوگوں کو ہو پتی کو پھل کہنا

طامع کو گدا پایا قانع کو غنی دیکھا
اوروں کی نہیں کہتے ہم نے تو یہی دیکھا

عقدے بھی کھلے تجھ سے منظر بھی نظر آئے
آنکھیں بھی کبھی کھولیں دِل کو بھی کبھی دیکھا

ساز قومی پر جو ظاہر اُنکا ایسا ہو گیا
جو مخالف تھا وہ اپنی سحر میں دھیما ہو گیا

پیش تو میں نے بھی دل کو کر دیا بہر کباب
تھا عدو چالاک تر بالکل ہی قیمہ ہو گیا

ہے تلوّن میں مرا آئینہ رو ہمرنگِ چرخ
مہر طلعت دن کو شب کو ماہِ سیما ہو گیا

عشق قومی میں بھی خطرہ ہے ہلاکت کا مجھے
لیڈروں کے مشورے سے جان بچا ہو گیا

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دِل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا

ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحاں ہو گئے چپ آہو نے اُچھلنا چھوڑ دیا

کیوں کبر و غرور اِس دور پہ ہے کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا

بدلی وہ ہوا گذرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

[1] ایک قسم کا انگریزی کھیل

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہ جواں جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساعد جب نہ رہا رکھے یہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا چشموں نے ابلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قایم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب سر صرِ عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اس حور لقا کو گھر لائے ہو تمکو مبارک اے اکبر
لیکن یہ قیامت کی تم نے گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

جواب شیخ میں یہ تو کبھی کہا جاتا
کہ وعظ ٹھیک ہے لیکن نہیں رہا جاتا

طمع نے دین کو کھویا جو ہوتے ہم قانع
کبھی نہ ہاتھ سے یہ دُرِّ بے بہا جاتا

امید وصل جو ہوتی نہ جانفزا اکبر
بھلا یہ صدمۂ فرقت کبھی سہا جاتا

میں پوچھوں کیوں مرے مرنے پہ لوگ کہتے ہیں کیا
یہ کیا لیقین کہ ہے کچھ نہ کچھ کہا جاتا

ترا دل تو ہمیشہ امر خاطر خواہ چاہیگا
مگر ہو گا وہی اکبر کہ جو اللہ چاہیگا

غزل سننی ہو اکبر کی تو اسکو عذر ہی کیا ہے
مگر ہر شعر پر وہ انجمن میں واہ چاہیگا

کیسے وعدے تھے یہ اسدل کے سہرا جناب
آپ سے پھر نہ ملاقات ہوئی واہ جناب

میرے اشعار پہ کہتے ہیں بہت واہ جناب
نہیں کرتے مگر افزائش تنخواہ جناب

ابھی سو تک نہیں پہونچی مری تنخواہ جناب
آپ مجھکو نہ کہا کیجیئے للّٰلہ جناب

ووٹ بازی کے سوا رکھا ہی کیا ہے آمیں
مہر ہی کے لئے کرتے ہیں عبث آہ جناب

بنتے جاتے ہیں غبارا وہ نئی روشنی کے
ہو ہی جائینگے ثریا حشم و ماہ جناب

سامنا اک نگہِ ناز کا ہے جان کی خیر
مہرباں اک بتِ عیار ہے ایمان کی خیر

یہہ تو زینت ہے کہ پہنے ہیں جڑاؤ بالے
یہہ قیامت ہے کہ اللہ مرے کان کی خیر

گوشۂ دامنِ لیلی بھی ہے تر اشکوں سے
ہم یہی کہتے تھے مجنوں کے گریبان کی خیر

ٹھن گئی آج یہی دل ہیں کہ پہونچوں اُن تک
یا مری خیر نہیں یا نہیں دربان کی خیر

ناز سے دامن اُٹھاتی تھی جو اپنا لیلی
زیر لب کہتی تھی مجنوں کے گریبان کی خیر

آپ کے ناوکِ غمزہ کی توجہ ہو جدھر
موت ہے دل کی منائے جو کوئی جان کی خیر

ادب سبحہ و زنّار اُٹھا جاتا ہے
خیر ہندو کی نہ اب ہے نہ مسلمان کی خیر

تُرک شیراز سے خوشتر ہیں بتانِ مغرب
ظاہرا اب نظر آتی نہیں ایران کی خیر

دلگی دین کی باتوں میں عیاذاً باللہ
شیخ قرآن پڑھیں تم کہو شیطان کی خیر

اُسنے میدان میں سر دیکے کیا قوم کا نام
آپ بنگلے میں منایا ہی کئے جان کی خیر

پارٹی کچھ بھی نہیں جب نہ ہو ذوقِ طاعت
قوم کی خیر نہیں جب نہیں ایمان کی خیر

اُس مسِ برقِ کلیسا کا ہے لکچر اکبر
آج تو علم بھی مانگیگا مسلمان کی خیر

مزا آتا ہے گردوں کو مجھے بیچین رکھنے میں
مصائب جان دیتے ہیں مرے حس کی ذکاوت پر

جمالِ لم یزل کی معرفت کیونکر میسر ہو
کہ حس غالب ہے فانی انقلابوں کا طبیعت پر

یہہ غیرت دیکھیئے ضبط فغاں ہے اسلیئے مجھکو
کہیں نازاں نہ ہو تکلیف میری آپ ہی شدت پر

کس طرح پردے میں رہے اے شیخ عورت اِکطرف
سارے خیالات اِکطرف ملکی ضرورت اِکطرف

مشرق کے واعظ اِکطرف مغرب کی زینت اِکطرف
عقلی دلیلیں اِکطرف اور دل کی رغبت اِکطرف

اسپنسر و مِل کے ورق ہیں کس قیامت کے سبق
کل توپخانہ اِکطرف بابو کی جرأت اِکطرف

اکبر ور تبخانہ پر ایسا جما ٹلتا نہیں
ساری خدائی اِکطرف اُس بت کی صورت اِکطرف

ذکرِ خدا یادِ اجل کافی ہیں اُس کے واسطے
میدان آنرا اِکطرف اکبر کی ہمت اِکطرف

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں
مگر یہہ حِس نہیں ہے ڈوبتے ہیں یا اُبھرتے ہیں

مرا یہہ شعر اکبر ایک دفتر ہے معانی کا
کوئی سمجھے نہ سمجھے ہم تو سب کچھ کہہ گذرتے ہیں

معنی کا حسن نہیں تو ترے دِل میں کچھ نہیں
لیلیٰ اگر نہیں ہے تو محمل میں کچھ نہیں

کارجہاں کو دیکھ لیا میں نے غور سے
اک دِلگی ہے سعی میں حاصل میں کچھ نہیں

اے آفتاب خضرِ رہِ معرفت ہے تو
اتنے ستارے اور تری محفل میں کچھ نہیں

لیتے ہیں لوگ اپنی دلی بات کے مزے
میرا مزا یہہ ہے کہ مرے دل میں کچھ نہیں

اُنکی سنو خدا نے کہا جن سے صاف صاف
اوہام کے فسانہ باطل میں کچھ نہیں

افسانہ حُسن گل کا بڑی چیز ہے حضور
کہتے ہیں آپ شورِ عنادل میں کچھ نہیں

اِسپیچ مذہبی میں بھی یکتا ہیں شیخ کمپ
لیکن یہہ سب زبان پہ ہے دِل میں کچھ نہیں

حلوا کھلایا شیخ نے اور وعظ بھی کہا
حلوا تو پیٹ میں ہے مگر دل میں کچھ نہیں

دلکش بہت ہے افعیٔ گیسوے اختلاف
کونسل سے کیوں کہوں کہ ترے بل میں کچھ نہیں

ستاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اپنا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو اُن پر ہے جو اِس تِس پہ مرتے ہیں

۴

جس طرف اُٹھ گئی ہیں آہیں ہیں
چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں

ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو
چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں

لطف چاہو اک بتِ نوخیز کو راضی کرو
نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کرو

لیڈری چاہو تو لفظِ قوم ہے مہماں نواز
گپ تو بیسوں کو اور اہل میز کو راضی کرو

طاعت و امن و سکوں کا دل کو لیکن ہو جو شوق
صبر پر طبعِ ہوس انگیز کو راضی کرو

نق زق و بق بق میں دنیا کے نہو اکبر شریک
چپ ہی رہنے پر زبانِ تیز کو راضی کرو

اتنی رغبت دل کی جب مے کی طرف ہے پی ہی نہ لو
دم نکل جانے کا اندیشہ تو ہے مجھکو مگر
بوسہ و سنبوسہ ارزاں بک رہے ہیں در میں

مدرسہ مانع نہیں مسجد کا نوٹس ہی نہ لو
نزع میں تم ہو تو میں کیونکر کہوں ہچکی نہ لو
ہے کوئی جس سے کہوں یہ بھی نہ لو وہ بھی نہ لو

دل ترا ہو کہ نہ ہو ہوش ربا راز کے ساتھ
کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر
گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دنیا کے طریق
ہاں عطا کی ہے جنھیں چشمِ بصیرت حق نے
اِس گلستاں میں نہیں کوئی ہوا خواہ مرا
پر شکستہ ہوں قفس میں نہ رہا ذوقِ چمن
دلِ رنگیں کے اُبھرنے میں تصنع کیسا
سعی پر اپنی بہت فخر نہ کر اے اکبر
نیچری سے کوئی الحاد کی پوچھے ترکیب

صوتِ سرمد تو ازل سے ہے اُسی ساز کے ساتھ
آرزو وہ ہے جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ
ہو ہی جاتے ہیں سب اِس شعبدہ پرداز کے ساتھ
اُنکے کان اب بھی ہیں قرآن کی آواز کے ساتھ
سب کی سازش ہے اُسی نرگسِ غماز کے ساتھ
ولولے دل کے گئے قوتِ پرواز کے ساتھ
فصلِ گل آتی ہے سامانِ خدا ساز کے ساتھ
طے منزل بھی ہے مشروط تگ و تاز کے ساتھ
دین چھوڑا ہے تو کس ٹھاٹھ کس اعزاز کے ساتھ

پارٹی بندی میں ہوتا ہے یہی اے اکبر
کیا تعجب ہے نظر آئیں جو گدھ باز کے ساتھ

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نہ رکھیگا خدا بیگانہ تجھ کو نورِ باطن سے
تری تعلیم جو کچھ ہو ہمارا تو سبق یہ ہے

نظر آتا ہے مجھ کو مدرسے خارجِ آ پہلے
مگر لازم ہے پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے
یہ سب فانی خدا باقی خودی پیچھے خدا پہلے

غیر کی حسرت نکلنے دیجئے
پارک میں کیا جاؤں ہے وقتِ نماز

خیر میرے دل کو جلنے دیجئے
بابو صاحب کو ٹہلنے دیجئے

طفل دل کو الفتِ زلفِ بتاں اک کھیل ہے
خیر ہو ایماں کی یارب کافروں سے میل ہے

مغربی چکر میں تفریحیں بھی ہیں ایذا کے ساتھ
امتیاز اسکا ہے مشکل پارک ہے یا جیل ہے

برکتیں ساکت۔ سعادت دم بخود۔ مذہب خموش
دل دعا سے بے خبر تدبیر ہی سے میل ہے

کہتے ہیں راہِ ترقی میں ہمارے نوجواں
خضر کی حاجت نہیں ہمکو جہاں تک ریل ہے

وضع بدلی۔ گھر کو چھوڑا۔ کاغذوں میں چھپ گئے
چند روزہ کھیل تھا آخر کو سب مٹ کھپ گئے

مٹ گئے نقش و نگارِ دیرِ فانی کے مگر
نام انھیں کا رہ گیا روشن جو ہر کو جپ گئے

دل کا ٹکڑا تو رہا باقی پئے راہِ خدا
ریل میں کیا غم جو اکبر کھیت تیرے نپ گئے

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حس ہی نہیں باقی
جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے

حدیثِ آرزوے قربِ باری پر نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے

ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں
نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذ اللہ غفلت باریاں ہیں ابر مغرب کی
کوئی آلودۂ آز کوئی صرفِ جوانی ہے

مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی ہیں
جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

آفتِ جاں ہے تجلی آتشِ رخسار کی
خیر ہو یارب نگاہِ شوق سہل انکار کی

مست کر دیتی ہے مجھکو فصلِ گل میں بوئے گل
وجد میں لاتی ہے حالت سبزۂ و اشجار کی

بھینی بھینی ہاے وہ نارنج کے پھولوں کی بو
جیسے سو جانیں فدا ہوں طبلۂ عطار کی

قطرہ ہاے شبنمِ پاکیزہ پھولوں پر نہیں
سبز پریوں پر چمک ہے موتیوں کے ہار کی

ہر شگوفے پر تڑپ جاتی ہے طبعِ حسن دوست
پتی پتی پر نگاہیں ڈالتا ہوں پیار کی

ناچتا ہوں صحنِ گلشن میں ہوا کے ساتھ ساتھ
ہمنوائی چاہتا ہوں بلبلِ گلزار کی

مجھ کو دیوانہ بنا دیتا ہے فطرت کا جمال
عارضِ گل سے خبر ملتی ہے روے یار کی

سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی

نکہت گلہاے شاخِ گل میں یہ مستی کہاں
اور ہی خوشبو ہے کچھ تیرے گلے کے ہار کی

متعلق اُمورِ خاص

ڈاکٹر مینارڈ[1] ہیں اپنے ہنر میں لاجواب
ہاتھ اُنکا برق ہے نشتر شعاعِ ماہتاب

ہفت سالہ تھا مرض دم بھر میں زائل ہوگیا
آنکھ روشن ہوگئی جاتا رہا سارا حجاب

پانچ ہی دن میں نہ پٹی تھی نہ بستر کی وہ قید
حُسن کلکتہ تھا اور میری نگاہِ اِنتخاب

ڈاکٹر مینارڈ کو اللہ رکھے شادکام
اور رہے خلقِ خدا انکے ہنر سے فیضیاب

مدرسہ الٰہیات خوب ہے کان پور میں
قوم کی سچ جو پوچھئے خدمتِ واقعی یہہ ہے

حمد خدا کے غلغلے ہونگے بلند اب یہاں
اِسمیں ذرا بھی شک نہیں دین کی بہتری یہہ ہے

حضرتِ رعد کا یہاں جوش و خروش دیکھکر
سب نے کہا یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ یہہ ہے

عنبر[2] فشاں ہوا ہے معطّر مکان سب ہے
کیوڑے کا یہہ عرق نہیں کیوڑے کی جان ہے

کیوڑہ بنے گا پندرہ قطروں سے اک گلاس
اسکی یہی ہے جانچ یہی امتحان ہے

صنعتِ صانع کو دیکھ اِس روغنِ بادام میں
یاسمن کی روح پھونکی ہے تنِ بادام میں

تاریخ وفات والدۂ سید عشرت حسین ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء ماہ عید سنہ ۱۳۲۹ھ

مرا راحت رسان و محرم اسرار مابودی
ہمیں تاریخ فوتت گفتہ ام غمخوار مابودی
۱۹۱۰ء

[1] حضرت مصنف مدظلہ العالی نے یہہ نظم حسب فرمایش جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے لکھی۔ اسکا ترجمہ انگریزی ہوا اور ڈاکٹر صاحب کے یہاں فریم میں لگا ہے۔ نواب سید محمد خاں صاحب انسپکٹر جنرل رجسٹری بنگال کے ذریعہ سے مراسلت ہوئی ۱۲ (۱۸ دسمبر ۱۹۰۹ء کو آپریشن ہوا تھا)

[2] یہہ اشعار حضرت مصنف دام فیضہٗ نے حسب فرمایش شیخ محمد حسین صاحب سکندرپوری ضلع بلیا مصالحہ دار نظامۃ العالیہ مرشدآباد و صدر دوکان کھنگراپٹی کلکتہ نمبر ۳۔ موجد بادامی روغن و شاہی کیوڑہ وغیرہ کے کیوڑے کی تعریف میں موزوں فرمایا ۱۲ محمد عبدالرحمن قیس

مادہ تاریخ ولادت سید ہاشم سلمہ اللہ تعالی

ظہور بدر	تیغ فاتح
۱۳۱۷ھ	۱۸۹۹ء

مادہ تاریخ ولادت سید عقیل سلمہ ابن سید عشرت حسین سلمہ

محمد عقیل ابن عشرت

۱۳۲۵ھ

تاریخ وفات جناب سید تفضل حسین صاحب پدر مصنف

چو شد واصل ذات رب ذات او	بجو سال تاریخش از ذات رب ۱۳۰۲ھ

تاریخ وفات جناب سید ہادی علی صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ الہ آباد

اُنکے مرنے کا نہ کیوں ہو سب کو غم	سچ تو یہ ہے لاکھوں ہی میں ایک تھے
سنئے السامی یہ تاریخ وفات	میر ہادی صلح جو تھے نیک تھے ۱۳۰۷ھ

ایضاً متفرق مصرعے

پاکیزہ سرشت صاحب رائے ... میر ہادی از جہاں مردانہ رفت

شد اہل بہشت میر ہادی

قطعات و شذوبات

مسلّم ہے جب سب کو اِلاّ قلیلاً
تو ہر علم ہے ذہنِ انساں میں ڈھیلا
مگر مست کرجاتا ہے ہو کے پیدا
اسی فیض فطرت سے کوئی رسیلا
مذاہب کی مستی حریفوں کی شوخی
رہیگی رچی یوں ہی دنیا کی لیلا

آلا یا ایہا الساقی بدہ ووٹے بمحفلہا
کہ سیٹ[1] (Seat) آساں نمود اول و لے افتاد مشکلہا
رفیقاں سست و طاقت سلب و دولت صرف و دل بحیں
چرا افتی پئے نامے دریں گرداب مشکلہا
رہِ پیچیدۂ سرِّ حکومت بر تو نکشاید
مگر چوں مار کاہل حلقہ زن باشی دریں ملہا
عبث اے بے ہنر قربِ مشینِ مغربی خواہی
کہ جز دودے ترا حاصل نمیگردد ازیں ملہا
حکومت پارلیمنٹی نباشد اندریں کشور
و لے نیٹو بجنگ آید ہمہ از بہر کونسلہا
ہوس در سینہ می جوشد کہ جاں دہ اندریں منزل
خرد در گوش می گوید کہ بر بندید محملہا
زحرصِ ممبری نقصاں پذیرد قوّت ملت
بجاے قوم۔ آنز دخل یابد بر دلہا
چو ذوقِ خدمت ملک است حاجت نیست با کونسل
بکن تحریر در اخبار و نطقے دہ بمحفلہا
اگر جوشِ مضامیں ہست در طبعِ بلیغ تو
بگو افسانہاے دردِ دل در شکل ناولہا
نمیگویم کہ موجِ شوقِ عزت ہست بے معنی
ہمی گویم نگہدارید کشتیہا و ساحلہا
برآر از دل یکے دستِ دعا در حضرتِ باری
کہ تا بخشد دولت را امتیاز حق و باطلہا
اگر حاکم کند ایما طلب کن ووٹ و خوش بنشیں
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا
بوے شہرتے کاخر گزٹ زاں طرّہ بکشاید
حریفاں مضطرب گردند و شور افتد بمحفلہا
چو در کونسل رسی با صد ادب مشغول خدمت شو
مَتیٰ مَا تَلقَ مَن تَہوٰی دَعِ الدُّنیَا وَ اَہمِلہَا

بے سبب نیں لائبریریہا[2] مرا اکراہ نیست
ہر کتابے را کہ بکشادیم بسم اللہ نیست
کورس را ہر سال تغیرست و باہم اختلاف
اتحادِ معنوی را سوے دلہا راہ نیست

[1] نشست۔ ممبری کونسل ۱۲ [2] کتب خانہ

از مذاقِ مشرقی ہر طبع را بیگانگی
چیزے از مغرب بدلہا ہست و خاطر خواہ نیست

صف نشیناں چشم یاری می کنند از ہم دریغ
کودکے کاں را دریں محفل جنونِ جاہ نیست

گشتہ ام مایوس ازیں اندازِ آغازِ شما
لا الٰہ ہست نمایاں ہست و الا اللہ نیست

صورتِ مذہب کہ می سازند تحسیں می کنیم
معنیٔ دیں را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

براے رسالہ زمانہ

جو اڈورڈ[۱] نے چھوڑا شاہی کا تاج
ہوے جلوہ آرا شہنشاہ جارج

خوشی اِن کی ہے اور اُن کا الم
دو دل ہو رہی ہے زبانِ قلم

قصیدہ کہے یا کہ نوحا لکھے
کدھر رُخ کرے کیا کہے کیا لکھے

لحد بھی ہے اور مسندِ جاہ بھی
مبارک سلامت بھی ہے آہ بھی

بڑے شور ایوانِ دولت میں ہیں
وہ تربت میں ہیں اور یہ حیرت میں ہیں

شہنشاہ مرحوم تھے صلح جو
نئے امپرر ہیں بہت نیک خو

وفا و ادب سے ہے یہاں ربطہ
ہماری دعا ہے یہ با ضابطہ

خدا اُنسے خوش ہو انھیں دے فروغ
بڑھیں نیک اور بد رہیں بیفروغ

رہے تخت برطانیہ برقرار
رہے ہند یونہیں اطاعت شعار

سنبھلیں جو رہتے ہیں غفلت میں مست
یہاں تو ہے پہلے ہی سے دل شکست

بگڑتا ہے دنیا میں جو گھر بنا
مسلسل ہے رفتارِ موجِ فنا

خوشی کی بھی لیکن ہے پیہم نمود
بلا ہے تو نعمت کا بھی ہے ورود

ہمیں است آئینِ چرخِ کہن
چہ خوش گفت سعدیِ شیریں سخن

یکے را چو پایاں رسد دورِ عہد
جواں دولتے سر برآرد ز عہد

[۱] حضور شاہنشاہ اڈورڈ ہفتم مرحوم ۱۲

فرض عورت پر نہیں ہے چار دیواری کی قید
ہاں مگر خود داری و ضبطِ نظر آساں نہیں
تم میں وہ ضبطِ نظر اُنہیں وہ خودداری کہاں
اب رہی تعلیم۔ کوں اس امر کا مفتوں نہیں

ہو اگر ضبطِ نظر کی اور خودداری کی قید
منہ سے کہنا سہل ہے کرنا مگر آساں نہیں
رعبِ قومی مثل فاتح ملک پر طاری کہاں
بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں

یہہ تو ظاہر ہے حریفِ شیخ کیوں رکنے لگا
شوق سے لیکن خرابی پر میں کیوں جھکنے لگا

چل بسے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا
ولولے لیکے نکلنے لگے کالج کے جواں
نئے اندازِ عبادت ہیں نئی صورتِ عیش
نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگِ جہاں
بحث میں آہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب
دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب
شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا عیب و ثواب
نعرے تحقیر کے اُسپر ہوے یارو نہیں بلند
جب حکومت نہیں باقی تو یہہ غمزے کیسے
تم نے شلوار کو پتلوں سے بدلا اے شیخ
خود تو گٹ پٹ کے لئے جان دئے دیتے ہو
لال جب خود ہی کنیسٹری[1] کا ہوا ہے بندہ
دولھا بھائی کی ہے یہہ راے نہایت عمدہ
درِ نظارہ مقفل رہے کب تک ہمپر
اکبر افسردہ شد از گرمی این طرزِ سخن

نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی اُمید
شرمِ مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید
رمضاں ساعتِ کرکٹ ہے تھیٹر میں ہے عید
دورِ گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
زہرہ ممبر ہوئیں ووٹر تھے جنابِ خورشید
کچھ مناسب نہیں اِسوقت بن ایسی تمہید
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی اُمید
لڑکیاں بول اُٹھیں خود بہ طریقِ تائید
کون کونے میں کرے بیٹھ کے سِتّی کو پلید
پھر مرے واسطے محرم رہے کیوں حبلِ ورید[2]
ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید
تو یہہ منیار ہے کیوں گوشۂ عزلت میں شہید
ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید
کیوں نہ غنچوں کے لئے بادِ صبا کی ہو کلید
شیخ بگریخت و در صومعۂ خویش خزید

[1] رگِ گردن ۱۲ [2] ایک خوش الحان خوبصورت پردیسی چڑیا ۱۲

کھل گئے در نہ رہا شاہدِ مشرق میں حجاب
غل مچا ہر سے کا بول اُٹھے یہہ مغرب کے مرید
لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

دربار ۱۹۱۱ء

دیکھ آئے ہم بھی وہ دِن رہکے دہلی کی بہار
حکمِ حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مزین اور مشین
پھول اور سبزہ چمک اور روشنی ریل و رتار
کیر وسین اور برق اور پیٹرولیم اور تاریں
موٹر اور ایرو پلین اور جھگڑے اور اقتدار
مشرقی پتلوں میں تھی خدمتگزاری کی اُمنگ
مغربی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر
زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی تبار
بحرِ ہستی لے رہا تھا بیدریغ انگڑائیاں
ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہمکنار
انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے
تھی پئے اہلِ بصیرت باغِ عبرت میں بہار
ذرّے ویرانوں سے اُٹھے تھے تماشا دیکھنے
چشمِ حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام
حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار
جامے سے باہر نگاہ نازِ فتاحانِ ہند
حدِّ قانونی کے اندر آنریبلوں کی قطار
خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا
فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار
دعوتیں۔ انعام۔ اسپیچیں۔ قواعدِ فوج۔ کیمپ
عزتیں۔ خوشیاں۔ اُمیدیں۔ احتیاطیں اعتبار
پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائینس پھر اہلِ جاہ
بعد اُسکے شیخ صاحب اِنکے پیچھے خاکسار
میں نے مرشد سے کہا جاکر یہہ اکدن التماس
کارِ دنیا نے بہت مجھ کو کیا ہے اب اُداس

عہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مصنف مدظلہ کی آنکھ پر بمقام کلکتہ آپریشن ہوا معًا ایک مضمون اُنکے دلمیں پیدا ہوا اور اُسی وقت یہہ اشعار موزوں کر کے لکھوا دئے ۱۲

عہ یہہ نظم پرچہ نظام المشائخ دہلی میں بہت حرج کے ساتھ چھپی۔

جلوۂ دنیا نے مجھ کو کر دیا ہے بے بصر — آخرت پر اب نہیں باقی رہی میری نظر
فلسفہ نے مجھ کو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ[۱] — میری چشمِ طبع کو عارض ہے غربی کیٹریکٹ[۲]
میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن[۳] کیجیے — ہو سکے تو مذہبی اک آپریشن کیجیے
کی توجہ حضرتِ مرشد نے میرے حال پر — اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر
چشمِ باطن میں دیا نشترِ نگاہِ تیز کا — کٹ گیا وہ رنگ محسوساتِ کفر انگیز کا
پھر درِ دل پر مرے تقویٰ کی ٹٹی باندھ دی — آنکھ پر شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

دربارِ دہلی اک طرف لوکل مجالس اک طرف — مرزا کا چم خم اک طرف بدھو کی کھس کھس اک طرف
راجا میں ہندی غریبی موٹر کی طینت آتشی — مرطوب و بارد اک طرف اور حار و یابس اک طرف
ہر چند دل کے نرم ہیں تاہم بہت سرگرم ہیں — سردی کا احساس اک طرف اعزاز کا حس اک طرف
یہ رنگ و بو یہ زینتیں یہ پُر تکلف صنعتیں — ہر گوشۂ کیمپ اک طرف اور سارا پیرس اک طرف
آنکھوں کو تم کھولو ذرا دیکھو تو یہ پولو ذرا — تیزی فرس کی اک طرف اور ناز فارس اک طرف
جوبن پہ باغِ دہر ہے گلشن ہر اک سو شہر ہے — واگوشِ گل ہے اک طرف حیرت میں نرگس اک طرف
پھولے ہیں سب کبر و منی ہے شانِ دہلی دیدنی — دلکش دکانیں اک طرف بارعب آفس اک طرف
سرکش کو فکرِ خفتہ جاں اکبر کا شورِ الاماں — سائنس کا زور اک طرف حسنِ رخِ مس اک طرف

جانِ جہانبانی ہیں یہ عظمت میں لاثانی ہیں یہ
ہفت آسماں میں اک طرف اور جارج خامس اک طرف

شاہِ کابل آں سراجِ ملت و روشن خرد — کرد نہضت از رہِ حکمت سوئے ہندوستاں
کول کالج را شرف بخشید از اسپیچ خویش — مرحبائے گفت و دستِ فیض او شد زر فشاں
مرشدِ کالج بہ وجد آمد ز بخشش ہائے وے — مدحتِ ایں طائفہ بر قلبِ شیخ آمد گراں

۱ واقعہ ۲ موتیا بند ۳ نجات ۱۲

گفت شاہ از عیب ایشاں چشم پوشی میکند
مسلکے و اعمال ایشاں یکدو سالے دیدہ ست
ہمدریں معنی سخن می گفت با طبع ملول
عاقلے فرمود قول شہ مفیدست و نکو

یا فریبے خوردہ از زرّیں طباقِ میزباں
کے کند کشفِ حقیقت یکدو ساعت امتحاں
چوں بدیدندش کہ در بندِ غم ست ایں ناتواں
ہمنشیں خندید و گفت ایں مطلعِ حافظ بخواں

دوش از مسجد سوے میخانہ آمد پیر ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

یہہ پوچھا شیخ سے مینے کہ کیا گذرتی ہے
نہایت یاس و حسرت سے وہ بولے کیا کہوں تمسے
نئی تعلیم کے مردے تو زندہ ہیں تماشو نہیں

یہہ سن اُنیس سو دس ہیں نئے مقصود منظر ہیں
یہہ دو مصرعے سنو جن میں نہاں فطرت کے دفتر ہیں
پرانی وضع کے زندے مگر مُردوں سے بدتر ہیں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں
بھولی۔ خوش رنگ۔ چُست۔ نازک پیاری
پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم
گو تابع جوشش برق پروازی ہیں
کیونکر میں کہوں کہ یہہ نظر بندی ہے
اِن جانوروں میں گرل اسکول کہاں
کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں

اک آن میں سو طرف کو مُڑتی دیکھیں
پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قائم
دونوں کے خطوط طیر متوازی ہیں
اللہ اللہ کیا ہنر مندی ہے
فطرت کے چمن میں صنعتی پھول کہاں
پریاں اندر کی جن سے شرمائی ہیں

اِس سمت اگر خیال انساں بڑھ جاے
دامانِ نظر پہ رنگ عرفاں چڑھ جاے

نہ مسجد میں نظر آتے نہ رہتے ہیں محلوں میں
یہی یورش رہی آزادی و تقلید بیجا کی

ترقی پاکے بس ملجاتے ہیں برگد کے گلونمیں
تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار پلونمیں

جوشِ قومی کا تو اظہار ہے ہر شام و پگاہ
دیکھتا کچھ نہیں لیکن رزولیوشن کے سوا
نہ وہ مسجد نہ جماعت نہ وہ طاعت نہ دعا
نہ قناعت نہ توکل نہ وہ خودداری ہے
کیا غرض مرکزِ تسبیح و دعا قایم ہو

لب پر الفاظ بہت خوب ہیں ماشاء اللہ
بحث کچھ تم میں نہیں ہے اوولیوشن کے سوا
نہ وہ گل ہیں نہ وہ گلشن نہ وہ سبزہ نہ ہوا
جاہ و شہرت کی تمنا میں گرفتاری ہے
بس یہہ مطلب ہے کہ اک اپنی سبھا قایم ہو

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشین برٹش راج
کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے

جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو
کہ تیل پیچ میں ہے ڈھیلی اُسکی چول بھی ہے

نگاہ کرتے ہیں حاکم بہت تعمّق سے
تمھاری عرض میں گو کچھ زیادہ طول بھی ہے

خلل نہ شغل میں تدھو کے ہے نہ حسّو کے
کہ شیخ سدّو بھی ہیں اور قدم رسول بھی ہے

عطا ہوئی ہے یہہ اسپیکروں کو آزادی
کہ حاکموں میں ہے قال تو یاں اقول بھی ہے

محلِّ صلِّ علےٰ ۔ ڈاک و تار کی ہے روش
اگرچہ دل میں نہاں عظمتِ رسول بھی ہے

جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبلی کی
جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے

چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی
کہ آنکھ محو ہے خاطر اگر ملول بھی ہے

طرح طرح کے بنا لو لباس رنگا رنگ
علاوہ روئی کے ریشم بھی اور اول بھی ہے

اندھیری رات میں جنگل میں ہے رواں انجن
کہ جسکو دیکھ کے حیران چشمِ غول بھی ہے

شگفتہ پارک ہیں ہر سمت رہرووں کے لئے
نظر نواز ہے پتّی حسین پھول بھی ہے

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر
تو حرج کیا ہے جو ساتھ اُسکے ڈیم فول بھی ہے

شکوہِ جلوۂ قیصر عیاں ہے
زمیں پر آج اُترا آسماں ہے

کرم فرما ہوا ہے شاہِ انگلینڈ
کہ جو شاہنشہِ ہندوستاں ہے

عظیم الشان ہے دربار دہلی
سراپا چشم ہر پیر و جواں ہے

چمک دکھلا رہا ہے ذرّہ ذرّہ
منوّر ہر سڑک اور ہر مکاں ہے

بپا کُل ملک میں ہے جشنِ شادی
جدھر دیکھو مسرّت کا سماں ہے

تکلّف کی نہیں باقی کوئی حد
ہر اک سو صرف زر صرفِ زباں ہے

نہایت فخر مُلکِ ہند کو ہے
کہ اُسکا شاہ اُسکا میہماں ہے

مکنزی اور پُلومر کا ہے وہ لطف
کہ ہر طفلِ دبستاں شادماں ہے

الہ آباد کا یہ ہائی اسکول
اُنھیں کے دم سے زینت بوستاں ہے

خدا اِس عہد کو رکھے مسلسل
کہ حاصل نعمتِ امن و اماں ہے

کلکٹر کا بھی ہے دربار عالی
یہاں بھی خاطر انکو میاں ہے

جن بزرگوں کی طلب سابق و دیرینہ ہے
اُنکو الطاف گورنمنٹ کا گنجینہ ہے

جن بزرگوں کو نئی راہ میں ہے سعی کا شوق
قوم سے اُنکو بلا واسطہ لینے کا ہے شوق

دونوں راہوں میں ہے عزت بھی کا کت بھی ہے
موقع مح بھی ہے وجہ شکایت بھی ہے

مستند دونوں ہیں ہو چال جو اعزاز کیساتھ
دونوں رہ سکتے ہیں آسودگی و نازکے ساتھ

شدتِ حرص سے ہاں سوے رکاکت جو جھکے
غیر ممکن ہے کہ دل خلق کا رُکنے سے رُکے

نہ اُچھل کود کا حاصل نہ تملق کا اثر
بجز اسکے کہ گھٹو زور میں باہم لڑکر

خوب ہے وہ جو قناعت کی طرف سالک ہے
کس مپرسی ہے تو ہو اُسکا خدا مالک ہے

امر طاعت ہی ہے اللہ کے پیاروں کے لئے
ماسوا اِسکے جو ہے شغل ہے یاروں کے لئے

طلب رزق ضروری سے تو مجبوری ہے
اسکے آگے ہے جو کچھ اُس سے مجھے دوری ہے

ہمنشیں جب مرے ایّام بھلے آئیں گے
بن بُلائے مرے وہ آپ چلے آئیں گے

جنگ ٹرکی اور اٹلی کے متعلق رائیں

کوئی کہتا ہے

دکھائے گی نیا اب رنگ ٹرکی
وہاں بھی آگئیں مغرب کی لہریں
بہت خودرائے تھے سلطانِ سابق
ہوے رخصت وہاں سے اولڈ فیشن

نہ ہوگی مبتلائے جنگ ٹرکی
ہوئی اب ہم کنارِ گنگ ٹرکی
رہا کرتی تھی ان سے تنگ ٹرکی
ترقی اب کرے گی ینگ ٹرکی

بعض یہہ کہتے ہیں

بدلی وہ ہوا وہ سنبل و گل رخصت
اب دل ہیں ہیں دوستانِ ٹرکی شاد

ساقی رخصت وہ ساغر و مُل رخصت
لو ہوگئے پائنیر کے عبدل رخصت

لیکن بعض یہہ فرماتے ہیں

یلدیز سدِّ راہ مخالف کنوں نماند
آں تیغ عقل و آں نگہِ پُرفسوں نماند

اندیشۂ حریف بحال زبوں نماند
سودا بہ جوش آمد و آں رنگ خوں نماند

چوں رخت خود ببست دبر دل از مقام شد
عبدالحمید گفت کہ ترکی تمام شد

آں فکر مصر و کابل و جاپان و چیں کجا
آں پالسی و آں نگہِ دوربیں کجا

آں خوض و التفات پئے کار دیں کجا
آں خاتمِ حمید کجا آں نگیں کجا

در دل گذار بیم بجائے امید شد

گوئی خلا بماند و خلافت شہید شد

بہت لوگ یہہ کہتے ہیں

مجھ پہ ہے تقلید واجب ہند کے دربار کی | راے میری ہے وہی جو راے ہے سرکار کی

کوئی انقلاب زمانہ کی یوں شکایت کرتا ہے

حالت این چیست کہ من پیش نظر می بینم | درپس کارِ بتاں فتح و ظفر می بینم
در حرم سوز دل و خون جگر می بینم | چرخ را وضع دگر رنگِ دگر می بینم

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

شاہ و سلطاں سے رعایا کی مروت نہ رہی | پاسِ ملت نہ رہا دین کی غیرت نہ رہی
وہ عقیدے نہ رہے اور وہ حکومت نہ رہی | دل کا مرکز نہ رہا ہاتھ کی طاقت نہ رہی

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

خار الحاد کو ہر گل سے یہہ کاوش کیسی | ترک ایماں کی دل خلق میں خواہش کیسی
کفر سے دعوئ اسلام کی سازش کیسی | اے فلک کیا یہہ تیرا رنگ یہہ گردش کیسی

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

اب تو رکھ دی گئی تہ کرکے ادب کی چادر | پہلے قبلہ تھے تو اب صرف ڈیر ہیں قادر
امر تعظیم کو اطفال نے سمجھا بادر[1] | ماؤں کو لینے کو ہرگز نہیں جاتیں تادر

دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

[1] دِق کرنا

ہیچ اُلفت نہ پسر را بہ پدر می بینم

اور میں کہتا ہوں

کیا بحث ہے ایران سے یا ترک و عرب سے
یا تخت پہ بیٹھے کوئی یا تخت سے اُترے

اِسوقت تجھے قطع نظر چاہیئے سب سے
رکھ کام تو دن رات فقط طاعتِ رب سے

تاریخ نے دیکھے ہیں بہت رنگ فلک کے
خورشید نکلتا ہے سدا پردۂ شب سے

ہم کو سنبھالتی ہے مِلّت جو لا بنائے
کیا حالِ قوم مجھ سے تو پوچھتا ہے ہمدم
کُفر اِسکو ہے قناعت محنت کی راہ بھولی
جب پیشوا نے اپنا کعبہ جدا بنایا
اپنی ہی یہہ خطا ہے ہم نے تو خوب جانچا
شر جس سے پھیلتا ہے یادش بخیر بھی ہے
جھوٹی لگاوٹوں سے ہرگز نہیں ہے سیری
آثار کہہ رہے ہیں گوشِ دلِ حزیں میں

میں کو نباہتی ہے غیرت جو دِل میں آئے
ہم کا پتا نہیں ہے میں ہیں مگر بہت کم
تقریر میں فضولی کوشش میں بے اُصولی
اپنے مزے کو سب نے اپنا خدا بنایا
لڑکے ڈھلے ہیں ویسے جیسا بنا تھا سانچا
اپنا ہی کیا کہ ہنستا اب ہم پہ غیر بھی ہے
حرص و طمع نے کھودی اس قوم کی دلیری
جینا رہا تو تو بھی ملجائے گا اُنھیں میں

بچنا اگر ہے تجھ کو اِس دور میں تو سورہ
بے رونقی پر کرصبر اللہ ہی کا ہو رہ

سلہ قانون

غلط نامہ کلیات اکبر حصّہ دوم اڈیشن دوم مطبوعہ ۱۹۱۶ع

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳	۱	اپنے	اپنی
۱۷	۱۸	جبکہ	جب۔کہ
۲۸	۱۲	ترے	تری
۳۷	۱۷	ہو	ہوں
۴۳	۷	بیداد	بیدار
۴۷	۱۹	بندے	بندہ
۵۶	۴	خدا	دعا
۵۷	۶	پیسہ	پپیا
"	۲۰	پہ	پر
۶۱	۳	سمجھتا ہے نہ غیر	سمجھتا ہے نہ دیر
۶۲	۳	بوجھ	پوچھ
"	۷	بنے یوروپ میں	بنے جو یوروپ میں
"	۲۱	یا پانیر	یا پانیر یا
۶۳	۱۱	نصیحت ایک نیک	نصیحتِ نیک
۶۴	۳	اُسکے	اُسکی
"	۸	مَینا	مُنیا
۶۵	۲	ظاہری	ظاہر ہی
"	۲۱	جانفزائی گنگا	جانفزائی کو گنگا
۶۶	۲۱	شیخ جی	شیخ بھی
۶۷	۲۰	پردہ درو	پردہ در کو
۷۱	۱۰	سرکا	سرکیا
۷۴	۱۳	لیڈر	ریڈر
۸۵	۱۷	بٹھلاتا ہے	ٹہلاتا ہے
۸۷	۲	قریب المرگ	قریب مرگ
"	۱۴	بڑھتے دو	بڑھنے دے